UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222281
UNIVERSAL
LIBRARY

۸۹۱٫۴۳۳۴
ط - س

222281

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵ ٹ۳۲۴ Accession No. ۱۴۲۹۳

Author ٹیگور

Title سچی پوجا

This book should be returned on or before the date last marked below.

پاکیزہ اور روحانی افسانے

سچی پوجا

سر رابندر ناتھ ٹیگور

آزاد بک ڈپو لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

۱۴۲۹۳

۸۲۱۵۴۳

آزاد بک ڈپو بک سیلرز اینڈ پبلشرز
لوہاری گیٹ لاہور

(پنجاب نیشنل پریس لاہور)
میں سردار سوہن سنگھ پرنٹر و پبلشر چھپی

۱۹۴۴ء

بار اول

قیمت ۱۲

فہرس

آزمائش ۵
باغبان ۲۰
پرتگیا ۵۰
ستور ۵۸
وجے ۶۵
سچی پوجا ۷۳
آوائیگی قرض ۱۰۱
تصویر ۱۱۸

آزمائش

ایک چھوٹا سا لیکن خوبصورت پائین باغ ہے۔ بسنت کے موسم نے نئے نئے پھول اور پتوں کی شکل میں آسمانی لباس اور زیورات کی نذر دے کر اسے اور بھی خوبصورت بنا دیا تھا۔ علے الصباح ہی شیریں آہستہ اور خوشبودار ہوا چل رہی ہے۔ آم کے درختوں کی ڈالیوں پر بیٹھی ہوئی کوئلیں اپنی شیریں اور شریلی آواز سے شانتی پاٹ پڑھ رہی ہیں۔ اور پرندے خوشی کی آوازیں نکالتے ہوئے ایک ڈالی سے دوسری اور دوسری سے تیسری ڈالی پر آزادانہ کھلاڑیاں کر رہے تھے۔

ایک جامن کے درخت کے نیچے بھگوان بدھ دیوجی دھیان میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی شانت اور نیز بظاہر صورت دیکھ دیکھ کر بڑے بڑے لامذہب اشخاص کی پیشانی بھگتی بھاؤ سے جھک جاتی ہے۔ جنگل کے

درندے جانور بھی اپنی بے رحمی کو بھول کر اس کے پاکیزہ جسم کو چھوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ جس کسی شخص کی غصہ وغیرہ خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس کے اثر سے بڑے سے بڑے جانداروں کا اچھا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

ایک ہرن کا بچہ پدم آسن سے بیٹھے ہوئے بدھ دیو کی ران پہ سر رکھے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہے۔ یکایک اس نے اپنا سر اونچا کیا۔ اور نتھنے پھلائے۔ خشک پتوں پر سے آنے والے شخصوں کے قدموں کی دھیمی آہٹ سنائی دینے لگی۔ تھوڑی دیر میں درختوں کی اوجھل میں سے چند آدمیوں کی ایک ٹولی باہر آئی۔ اس ٹولی کا سرگروہ ایک نوجوان شخص تھا۔ جس کے چہرے سے عظمت اور جلال نمایاں تھا۔ اور جس کے بدن پہ قیمتی لباس اور زیور چمک رہے تھے۔

اس نوجوان نے اپنے ہمراہیوں کو دور رہنے کا اشارہ کیا۔ اور آپ تنہا بدھ دیو کے پاس آیا۔ اس مہاتما کے پاس پہنچتے ہی وہ دست بستہ آداب بجالایا۔ اور ہاتھ جوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

اس وقت بدھ دیو اگرچہ اپنی پہلی ہی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن ان کی نظر اس نوجوان کی طرف تھی۔

بہت دیر تک انتظار کر کے نوجوان بولا۔ سے بھگوان میری نمسکار قبول ہو۔ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ میرا نام جیتر سنگھ ہے میں کیف راج کا ولی عہد ہوں۔ اور آپ کی مہربانی حاصل کرنے کیلئے

یہاں آیا ہوں۔ جس دن سے میں نے آپ کی تعریف سنی ہے۔ اسی روز سے میرا دل بیقرار ہو رہا تھا۔ مجھے دھن و دولت سے نفرت ہو گئی ہے۔ خواہشات نفسانی سے میرا دل غمگین رہتا ہے۔ اپنی پیاری عورتوں اور دوستوں سے اب مجھے خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ مجھے روحانی علم سے محبت ہو گئی ہے۔ اس لئے آپ مہربانی فرما کر مجھے روحانی علم کا اُپدیش دیجئے۔

بھگوان بدھ دیو نے راج کمار کی طرف مہربانی کی نظر سے دیکھا لیکن منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ راج کمار پھر بولا۔ ہے بھگوان کیا آپ میرے دُکھی اور بے قرار دل کو اپنے شیریں کلام کے چند الفاظ سے بھی شانت نہیں کرو گے؟ کیا میں آپ کی مہربانی کی نظر کے قابل نہیں ہوں؟ ہے سوامی! میں نے اپنی زندگی بچپن سے لیکر اب تک پاکیزگی کے ساتھ بسر کی ہے۔ دھرم شاستروں کے خلاف میں نے آج تک کبھی خواب میں بھی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ اپنے ولش کی رسم و رواج کی میں نے اچھی طرح پابندی کی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے دھرم کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے کیا میں آپ کا چیلا ہونے کے لائق نہیں ہوں۔

نہیں۔

بس اتنی ہی بات بدھ دیو کے منہ سے نکلی تھی۔ پرکھبوا اگر ایسا ہے تو آپ کا چیلا ہونے کی لیاقت مجھ میں کب آسکے گی۔ اور میں کیا کروں۔ جس سے اس قابل ہو سکوں۔

کھوج کرو۔ کھوج کرنے سے تمہیں خود معلوم ہو جائے گا۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

راج کمار نے اداس ہو کر دریافت کیا۔ کیا کھوج کروں؟

بدھ دیو کی طرف سے جب اس سوال کا جواب نہیں ملا۔ تب ولی عہد نے کہا۔ حضور کا حکم مجھے بسر و چشم منظور ہے۔ میں کھوج کروں گا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بھگوان میرا امتحان لے رہے ہیں۔

بدھ دیو نے کہا۔ ممکن ہے۔ ہو سکتا ہو۔

اچھا تو اب میں آپ کے درشن کیلئے پھر کب آؤں۔ کیا حکم ہے۔

چھ ماہ کے بعد۔

راج کمار بدھ دیو کے قدموں میں نمسکار کر کے خاموش وہاں سے چل دیا اس کے ساتھیوں کی ٹولی ساتھ ہولی۔ سب جگہ امن و امان کی سلطنت ہو گئی۔ ہرن کا بچہ اس فرشتہ سیرت شخص کی ران کے سہارے پھر آرام کرنے لگا۔ بدھ دیو پھر دھیان میں لگ گئے۔

پہلی سرگذشت کو گذرے ہوئے آج پورے چھ ماہ ہو گئے۔ وہی جگہ وہی پائین باغ وہی جامن کا درخت اور اسی درخت کے نیچے پہلے ہی کی طرح بیٹھے ہوئے بھگوان بدھ دیو دھیان میں لگے ہوئے ہیں۔ سورج ابھی غروب ہوا تھا۔ ہوا حسب معمول چل رہی تھی۔ ایک بڑا بھاری طوفان آنے کی علامت نظر آتی تھی۔ جنگلی جانور خوف زدہ ہو کر اس فرشتہ صورت کی پناہ میں آ رہے تھے۔ پرندے درختوں میں چھپ

کر بیٹھ گئے تھے۔ اور دردناک آواز سے چہچہاہٹ کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ آندھی اور بارش کے زور سے درخت اُکھڑ اکھڑ کر گرنے لگے۔ لیکن اس جامن کے درخت پر اس آندھی اور بارش کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ بھگوان بدھ دیو کے جسم پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پڑا۔ ایسا کون ہے جو مہاپرشوں کے مضبوط اعتقاد کی جڑ کو ہلا سکے۔

اس خوفناک آندھی اور بارش کی کچھ پرواہ نہ کر کے وہ پہلے کا واقف راج کمار مقررہ تاریخ کو اس مقدس جگہ میں آیا۔ اور بدھ مہاتما کو دست بستہ نمسکار کر کے بولا۔ ہے بھگوان! میں بڑی آرزو سے آج کے دن کی انتظار کر رہا تھا۔ ایک ایک دن اور رات گنتا رہا ہوں۔ تب کہیں یہ دن نصیب ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ میں آپ کے امتحان میں پورا اُتر چکا ہوں ــ آپ کی کسوٹی پر میرا چال چلن اصلی سونا ثابت ہو گیا ہوگا۔ میں نے اپنی زندگی کا سلسلہ بہت ہی پاک و صاف رکھا ہے۔ خواہشات نفسانی کی پرواہ نہ کر کے میں نے مدت تک دھیان دھارنا پرانایام وغیرہ کئے ہیں۔ دھن و دولت کو حقیر سمجھا ہے۔ اور سب طرح کی جسمانی اور دماغی تکالیف برداشت کی ہیں۔ اب تو آپ مجھے اپنا چیلا بنانا منظور فرمائیں گے؟

جواب ملا۔ نہیں۔

اس جواب سے مایوس ہو کر راج کمار نے ہنا مُنہ دوپٹہ سے

ڈھانپ لیا۔ رنج سے اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور بہت عرصے تک اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ آخر کار بھرائی ہوئی آواز سے اس نے کہا۔ ہے بھگوان! کیا آپ اس غلام کے ساتھ کچھ گفتگو کرنے کی مہربانی نہ فرمائیں گے؟ اور کیا یہ بھی نہ بتلائیں گے کہ آپ مجھے اپنا چیلا کیوں نہیں بناتے ہیں؟۔

بدھ دیو نے دھیان چھوڑ کر کہا۔ اے معزز راج کمار! پڑھائی امتحان میں پاس ہو جانے سے ہی کوئی شخص دکھشا کے لائق نہیں ہو جاتا۔ میں نے تم سے عورتوں کے اور دیگر آرام کے چھوڑنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ پہلے جنم کے موافق جس امتحان میں جس کسوٹی میں تمہیں پار ہونا ہے۔ وہ تمہارے سبھاؤ کی ہے اور اس میں تم پاس نہیں ہوئے ہو۔ اپنے راج محل کو تم پھر واپس جاؤ۔ اور نیک زندگی بسر کرتے ہوئے شانتی کے آنند کو حاصل کرو۔ چیلے کی زندگی دھارن کرنے کی ابھی تم میں لیاقت نہیں ہے۔

راج کمار کے چہرہ پر کچھ گھبراہٹ کی علامت نظر آنے لگی۔ اس نے دردانگیز آواز سے کہا۔ جن باتوں میں مجھے ناکامیابی ہوئی ہے۔ مہربانی فرما کر کیا آپ انہیں بتلا دیں گے۔ اگرچہ ان باتوں کے سننے سے مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ تاہم ان کے سننے کی میری بڑی آرزو ہے۔

بھگوان بدھ دیو کی بانی شروع ہوئی۔ سنو!

میں ان باتوں کو بیان کرتا ہوں۔ تمہارا پہلا امتحان لوگوں کی برائی

کو برداشت کرنا ہے۔ راج کمار ایک دفعہ تمہارے والد کے دربار میں تم پر ایک ایسا جرم لگایا گیا تھا۔ جو حقیقت میں جھوٹا تھا۔ وہ تمہیں یاد ہوگا واقعی امر کیا ہے۔ اس بات کا حال آخر میں لوگوں کو معلوم ہو ہی جاتا لیکن تم سے اتنا صبر نہ ہوسکا۔ کرم کے بس ہو کر مان بھنگ ہونے کی جو مذکورہ بالا بات تم پر آ پڑی تھی۔ اسے تمہیں برداشت کرنا چاہئے تھا۔ لیکن بے گناہ ہونے کے لئے اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے تم بے قرار ہوگئے۔ اور اس کے لئے تم نے ہتھیار تک ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح اس پہلے امتحان میں تم پاس نہیں ہوئے۔

راج کمار نے کہا۔ "مگر میں نے قصور کیا ہوتا۔ تو اس کا نتیجہ برداشت کرنے کے لئے بھی میں تیار ہو جاتا۔ لیکن میں تو بے گناہ تھا۔"

بدھ بھگوان بولے جو آدمی نیک ہیں۔ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہی ہیں۔ اور انہیں کرنی چاہئے۔ لیکن جو میرا چیلا ہونا چاہتا ہے۔ اور جو روحانی تحقیقات کے راستہ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اور جو روحانی سروپ کو ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ اسے لوگوں کی بُرائی سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ اگر کوئی الزام لگایا گیا ہو۔ تو اسے تحمل سے برداشت کرنا چاہئے۔ اپنی نیک چلنی کا ثبوت دینے کے لئے ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہئے۔ اور خواہ کوئی تمہاری تعریف کرے۔ یا تم پر الزام لگائے۔ تمہیں دونوں حالتوں میں یکساں رہنا چاہئے۔

راج کمار نے سر جھکا لیا۔

"بدھ دیو پھر فرمانے لگے۔ اور حسد کے باعث تم دوسرے امتحان میں بھی فیل ہو گئے۔ تمہارا ایک دلی دوست تھا۔ تم دونوں میں بڑی دوستی تھی۔ تمہارے والد کے دربار میں کوئی اجنبی آیا۔ اور وہ اپنی کچھ مطلب براری کے لئے کوشش کرنے لگا۔ لیکن یہ تم کو برداشت نہ ہوا۔ تمہارے دل میں حسد کا بیج پیدا ہو گیا۔ تم نے اس اجنبی شخص کو اپنے دوست کی محبت میں شریک نہ ہونے کے لئے دل و جان سے کوشش کی اور اپنے دل میں کینہ رکھا۔"

راج کمار بولا۔ جب مجھے معلوم تھا۔ کہ اس اجنبی شخص کو صرف اپنا مطلب نکالنا تھا۔ تب اپنے دوست کو اس کے دھوکہ میں نہ پھنسنے دینے کی کوشش کرنا کیا میرا فرض نہ تھا۔

بدھ دیو نے کہا۔ وہ خود غرضی کی دوستی کیا آگے جا کر پاک۔ اور بے غرض نہیں ہو سکتی تھی۔ تمہیں کیا اس امر کا پختہ یقین ہو چکا تھا۔ کہ وہ دوستی کسی وقت بھی صادق دوستی میں تبدیل نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ دنیا میں نیک اور اشراف اپنے دوست کی حفاظت اور دشمن کی حرکت کو بے سود کرنے کے لئے خواہ کتنی ہی کوشش کریں۔ کر سکتے ہیں۔ لیکن میرے چیلے کو یہ طریق اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ اسے اپنے دل سے حسد اور خودی کو دور کر دینا چاہئے۔ یعنی اپنے دوست کو دہوکہ دینے والے سے پھر حسد۔ بغض وغیرہ نہیں کرنا چاہیئے ہے راج کمار اپنے والد کے دھن و دولت اور اقبال سے تمہیں محبت

نہیں ہے۔ خواہشات نفسانی بھی تمہیں اپنی طرف رجوع نہیں کر سکتی ہیں یہ سب درست ہے۔ لیکن جب اصلی تیاگ کا موقع آیا۔ اس وقت تم سے دھیرج نہیں رکھا گیا۔ تمہارے دل سے نیکی کا بدلہ دینے کی خواہش ختم نہیں ہوئی۔

راج کمار سرنگوں اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اور بولا۔ ہے بھگوان مجھے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ میرے دل کے اندھیرے کے سامنے رات کے اندھیرے کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

بدھ دیو بولے تیسری دفعہ تم محبت اور رحم میں کامیاب نہیں ہوئے تمہاری نن اناجی عورت نے اخلاق کے برخلاف کام کیا۔ اس لئے تم نے اسے راج محل سے نکال دیا۔ اس کی جہالت اور جوانی پر تم نے کچھ خیال نہ کیا۔ اس پر تمہیں دیا نہ آئی۔

راج کمار نے پوچھا۔ ہے بھگوان آپ ہی فرمائیے۔ کہ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا۔ اپنی اور اپنے خاندان کی عزت بچانا کیا میرا دھرم نہیں ہے۔ قصوروار اور بدچلن عورتوں کے پاس رہنا کیا مناسب ہے۔ اس کے قصور کی سزا دینے میں اگر میں نے ذرا چشم پوشی کی ہوتی تو کیا مجھ پر یہ عیب نہ لگایا جاتا کہ اسے ملک کے رسم و رواج کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔

بدھ دیو نے فرمایا۔ اے فیاض راج کمار تم سے مجھے بار بار وہی بات کہنی پڑتی ہے۔ دنیا کے پھندے میں پھنسے ہوئے نیک اشخاص

اپنی عزت یا اپنے خاندان کی آبرو رکھنے کے لئے خواہ کتنی ہی کوشش کریں۔ وہ انصاف کریں۔ سزا دیویں۔ یا نکال دیویں۔ لیکن سادھو لوگوں کو ان باتوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ وہ اصلی حقیقت کو ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کے باعث ان سے ہر ایک جاندار کو معافی ملتی ہے۔ قصور کو معلوم کرنے کی نسبت کہ قصور کیوں ہوا ہے اس کی جستجو میں وہ زیادہ محنت کرتے ہیں۔ سمندر کی لہروں کی گنتی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کے دل میں رہنے والی دیا کے سمندر کی لہروں کا شمار کرنا مشکل ہے۔ بڑے کاموں سے دور رہنا یہ کوئی بڑا بھاری وصف نہیں ہے۔ سادھو لوگ اسے کوئی بڑپن کا کام نہیں سمجھتے۔ ان کے خیال سے کبھی کبھی یہ بیرونی پاکیزگی ہی عروج کے راستہ میں خلل ڈالنے والی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر پاکیزگی کے ساتھ اصلی ماہیت کا علم نہ ہو۔ یعنی باطن پاک نہ ہو۔ تو بے رحمی اور غرور پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتے اور آخر میں اگر دیکھو تو پاکیزگی کی بجائے صرف اس کا سایہ ہی رہ جاتا ہے۔ ہے ولی عہد تم نے اپنے سفر میں کبھی سورج غروب ہونے کے وقت ہمالہ پہاڑ کی چوٹی کی طرف نظر ڈالی ہے۔ برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں پر صرف خلا ہی خلا نظر آتا ہے۔ وہاں دل اور آنکھوں کو خوش کرنیوالی سبز ہی رنگ کی کرنیں کبھی دیکھی ہیں۔ بیرونی پاکیزگی اسی قسم کی ہے۔

راج کمار کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بدھ دیو کو ... گھبرائی آواز سے کہا۔ ہے پربھو! اپنے پاس سے مجھے

دُور نہ کرو۔ آپ کا چیلا بننے کے لئے مجھے ایک دفعہ پھر کوشش کرنے دو۔ آپ کے چیلا بننے کی قابلیت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ اب میں نے بخوبی سمجھ لیا ہے۔

بدھ دیو نے کہا۔ اچھا جاؤ۔ تمہاری درخواست منظور ہے۔ راج کمار اپنے ہمراہیوں کو لے کر اسی وقت وہاں سے چلا گیا۔

راج کمار جیتر سنگھ نے اپنے راج میں پہنچ کر اپنے والد کی وفات کا حال سُنا۔ راج کے سارے کاروبار کا بوجھ اس کے سر آ پڑا۔ انصاف سے رعایا کی پرورش کرنے کے باعث تھوڑے ہی دنوں میں وہ منصف اور رعایا دوست راجہ کہلانے لگا۔

اس نے پہلے اپنے دوست کے لیئے اور اس سے دوستی کرنے کی خواہش کرنے والے مذکورہ بالا اجنبی شخص کے لئے پاس پاس دو محل بنوا دیئے۔ اور اپنی نکالی ہوئی عورت کو بھی بُلا کر پھر راج محل میں داخل کر لیا۔ اس سے راجہ کی بڑی مذمت ہونے لگی۔ اس کے والد کے وقت کے جو بوڑھے ملازم تھے۔ وہ ناراض ہو گئے۔ گھر گھر انہی باتوں کی چرچا ہونے لگی۔ اس کی مناسب اصلاحوں میں لوگوں کو یہ خرابی معلوم ہونے لگی۔ کہ یہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔

لیکن راجہ اپنی بات پر قائم رہا۔ اسے پھولوں کی سیج اور کانٹوں کا بستر یکساں معلوم ہونے لگا۔ سونا اور کانچ۔ محل اور مسان۔

دولت مند اور کنگال - جینا اور مرنا یہ سب اس کو یکساں معلوم ہوتے تھے - اس نے لوگوں کی مذمت اور تعریف کی طرف آنکھ اٹھا کر نگاہ تک نہ کی - وہ اپنے فرض کے راستہ پر برابر چلتا رہا۔

راجہ کا ایک چھوٹا بھائی تھا - وہ اپنے بڑے بھائی کی مذکورہ بالا باتوں سے ناراض ہو کر دشمن بن گیا - اس نے راجہ کے خلاف ایک بڑی بھاری سازش کی - جس کی غرض راج کو الٹ دینے کی تھی -

ایک دن راجہ جیتر سنگھ کو کسی نے آکر خبر دی - کہ تمہارے قتل کرنے کی خفیہ کوشش کی جا رہی ہے - لیکن اس سے راجہ ذرا بھی نہ ڈرا - اسے اپنی حفاظت کی ذرا بھی فکر نہ ہوئی - اپنی جان جانے کے خوف سے وہ نہیں گھبرایا - اس نے ایک دن اپنی خلوت گاہ میں دیکھا - کہ ایک ناواقف شخص نے میرا کام تمام کرنے کے لئے تلوار اٹھائی ہے - وہ تلوار اس کی گردن پر پڑنی ہی چاہتی تھی کہ اس کے چند دوستوں نے وہاں پہنچکر اسے درمیان میں ہی روک دیا - اور مارنے والے کو اسی وقت قید کر دیا - مارنے والا آزاد نامی ایک کھشتری تھا - راجہ نے پوچھا ہے آزاد تم کس باعث سے میرا خون کرنا چاہتے تھے -

اس نے جواب دیا - اس لئے کہ تو راج کا ستیاناس کرنے والا

ہے۔ تیرا برتاؤ یہاں کے پہلے راجاؤں کے بالکل خلاف ہے۔ تو جتنی اصلاحیں کرتا ہے۔ وہ سب انجام میں راج کا ناس کرنیوالی ہیں۔

جیتر سنگھ نے خیال کیا۔ یہ مجرم جاہل معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اپنے ملازموں سے کہا۔ اگرچہ اس شخص نے میرے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس کی نیت اچھی ہے اس لئے اس کو آزاد کر دو۔ اور میرے پاس اسے اکیلا چھوڑ کر تم سب باہر چلے جاؤ۔

ملازم متعجب ہو کر باہر چلے گئے۔ راجہ کی جرأت کے بارے میں انہیں اس وقت کچھ ڈر ہوا۔ آزاد لاپرواہی سے راجہ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن راجہ نے اس کی صورت پر کچھ بھی دھیان نہ دیا۔ آزاد نے دیکھا کہ راجہ کے چہرہ پہ دیا ملامت یا فتح کا سایہ بھی نہیں ہے۔ وہ بھگوان بدھ دیو کے اس اُپدیش کے مطابق کہ "نیک لوگ قصور کو معلوم کرنے کی نسبت کہ قصور کیوں ہوا ہے۔ اس بات کی تحقیق کرنے میں زیادہ محنت اٹھاتے ہیں" پہلے افعال کے معاینہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ ان افعال کا وچار کر رہا تھا۔ جن کے باعث آزاد نے اس کے مارنے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ خود مرتا مرتا بچ گیا تھا۔ یکایک اس کی صورت پلٹ گئی۔ وہ اپنی اننتر آتما سے اس طرح دیکھنے لگا۔ گویا گرو دیو نے ہی اس کے ہردے کے کواڑ کھول دیئے ہیں۔ چیز کی ماہیت اس کی سمجھ میں آنے لگی۔ اس کشتری کے

سابقہ افعال اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔

اسے معلوم ہوا۔ کہ بجلی کی مانند آزاد کا بھاری جسم لمحے لمحے میں تبدیل ہو رہا ہے۔ جہالت سے اور اس کے جمع کیے ہوئے افعال قبیحہ سے جانداروں کو جو جو تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ ان کا اصلی نظارہ اس وقت اسے دکھائی دینے لگا۔ تھوڑی دیر میں جیسے کوئی نیند سے جاگ اٹھتا ہے۔ اسی طرح راجہ نے بیدار ہو کر اس کھشتری کمار سے کہا۔ بھائی تمہاری بابت میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ کہ تم میرے رشتہ دار ہو۔ میرے اور تمہارے سروپ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ ہم تم دونوں ہی ایک راستہ کے مسافر ہیں۔ آؤ ہم تم دل سے ملیں۔ اور اس راستہ کو جلدی طے کرنے کی کوشش کریں۔

بہت وقت گذر گیا۔ یہ دیکھ کر راجہ کے محافظ کو خوف ہوا۔ انہوں نے اندر جا کر دیکھا۔ تو آزاد جیتر سنگھ کے کندھے پر سر رکھے ہوئے رو رہا ہے۔ اور جیتر سنگھ ایک عجیب روحانی جلال سے چمک رہا ہے۔

بھگوان بدھ دیو مذکورہ بالا پائین باغ میں ہی براجمان ہیں۔ صبح کا وقت ہے۔ سورج آہستہ آہستہ نکل رہا ہے۔ کسی آدمی کے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ بھگوان بدھ دیو نے آنکھیں کھولیں۔ راجہ جیتر سنگھ نمسکار کر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

اس وقت راجہ کے ساتھ کوئی بھی آدمی نہ تھا۔ اس نے بھکشو کا

بھیس دھارن کر رکھا تھا۔ اس کی صورت پر ایک عجیب شانتی برس رہی تھی۔ بدھ بھگوان نے اسے آشیرباد دی اور کہا بیٹا تم امتحان میں پاس ہو چکے ہو۔ اب خوشی کے ساتھ دیکھشا لے کر اپنا اور بےشمار دنیا کی رنجوں میں ڈوبے ہوئے جانداروں کا بھلا کرو۔

اس کے بعد بدھ دیو نے اسے منتر دیا۔ اس سمے خوشبودار اور آہستہ ہوا چل رہی تھی۔ چاروں طرف شانتی شانتی پھیل رہی تھی۔ اور صبح کے وقت کی خوبصورتی غیر معمولی معلوم ہوتی تھی

باغبان

چند روز سے مہاراجہ بنارس کے حرم سرائے کے باغ میں ایک مالی آیا ہوا ہے۔ وہ اپنا نام بسنت بتلاتا ہے۔ وہ خوبصورتی اور اوصاف میں موسموں کے راجہ بسنت سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

ایک روز موسم بسنت کے شروع میں جب ایک ناواقف نوجوان مہاراجہ کے دربار میں ملازمت کی خواہش سے حاضر ہوا۔ اس کے دیکھنے سے تمام درباریوں کا مکدّر دل محبت کے جوش سے بھر آیا۔ عمر رسیدہ وزیر کا عمیق دل محبت سے بیقرار ہوگیا۔ مہاراجہ صاحب خود بدولت بنظر غور دیکھنے لگے۔ اور پردہ کے اندر جو بیگمات موجود تھیں۔ اس نوجوان کو دیکھنے سے ان کی چنچل آنکھیں ششدر رہ گئیں۔

مہاراجہ نے اسے بڑی عزت سے سبھا میں بٹھا کر دریافت کیا۔

اے نوجوان تم کون ہو۔ اور کس جگہ کے باشندے ہو۔ اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ تمہارا جسم پھول کی مانند نازک اور خوبصورت ہے۔ تم کیا کام کرنا پسند کرتے ہو۔ تمہیں کسی کام کے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم صرف روزانہ دربار میں حاضری دے جایا کرو۔

بسنت نے آداب شاہانہ بجا کر نہایت تحمل اور استقلال سے عرض کی۔ مہاراج جس شخص کو کوئی کام نہ ہو۔ اُس کے دُکھ کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ براہ مہربانی مجھے اِس تکلیف سے نجات دیں۔ نیازمند کو حضور والا اپنی ہی خدمت کے لئے متعین فرما دیں۔ اور جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا۔ جناب کی خدمت کے بجا لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کروں گا۔

مہاراجہ نے خوش ہو کر فرمایا۔ اچھا اے نوجوان بتلاؤ۔ تمہیں کیا کام پسند ہے۔ وزیر۔ کمانڈر انچیف۔ اور ملک الشعراء وغیرہ جس کسی کو تمہاری امداد ملے گی وہ تم سے خوش ہوگا۔ بتلاؤ۔ تمہیں کونسا کام پسند ہے۔

بسنت نے دست بستہ عرض کی حضور یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ میں کسی اہم کام کی ذمہ واری کو انجام نہیں دے سکوں گا۔ میری خواہش ہے۔ کہ میں حضور کے شاہی باغ کا مالی بنوں۔ ہر روز نئے نئے پھولوں کی مالائیں تیار کروں۔ مہاراج کی پوجا کروں اور صبح شام سُریلی آواز سے مہاراج کے اوصاف بیان کیا کروں۔ اور میں کچھ

نہیں چاہتا ہوں۔

تمام حاضرین نے یہ خیال کیا کہ یہ بہت خوبصورت شخص ہے۔ لیکن دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔ مہاراجہ نے مہربانی فرما کر اس دیوانہ کی درخواست کو منظور کیا۔ وہ اُسی دن سے مہاراجہ کے خاص باغیچہ کا مالی بن گیا۔

باغ کے ایک گوشہ میں بسنت کی جھونپڑی تھی۔ وہ چاروں طرف بیلوں سے گھری ہوئی اور پتوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے اندر پھولوں کا فرش ہو رہا تھا۔ باغ میں خوبصورت درخت سرو قد خاموشی سے کھڑے ہوئے اور خوشنما پھولوں سے جڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا کوئل کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔ بسنت صبح و شام بین کے ذریعہ جو منو ہر راگ الاپتا تھا۔ اس کی شیریں آواز سے ہوا بھی فریفتہ ہو جاتی تھی۔ اور سارا راج محل خوشی کے مارے گونج اٹھتا تھا۔ صبح شام جو طرح طرح کے پھولوں کے خوشنما ہار بناتا تھا۔ انہیں دیکھ کر ہر شخص کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔ اور محبت جوش مارنے لگتی تھی۔

صبح شام مالی سے نذر و نیاز لینے کے لئے جب راج کماریاں گلاب کی کیاریوں کے نزدیک سنگل کی روشوں کے نیچے اور سنگ مرمر کے اوپر اپنے نازک اور خوبصورت پاؤں رکھتی ہوئی مالی کی جھونپڑی کے پاس اکٹھی ہوتی تھیں اُس وقت سارا باغ کھل اٹھتا تھا۔ درختوں

کے پھول ہنستے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اور کوئل اور پپیہے گانے لگتے تھے۔ اُس وقت بسنت سرسبز پتّوں کے دونوں میں شبنم سے تر و تازہ پھولوں کے ہار بھینٹ کر کے اپنی خدمت انجام دیتا تھا۔

بسنت کے بنائے ہوئے ہاروں میں طرح طرح کے پھول ہوتے تھے۔ وہ کماری اندرا کے لئے اندی وروِن یعنے کملوں کی مالا کماری شکلا کے لئے کھلے ہوئے گلاب کے پھولوں کی مالا۔ اور کماری آنند تا کے لئے خوشنما چنبیلی کی مالا پیش کرتا تھا۔

ان سب کے بعد ایک اَور نوجوان لڑکی آتی تھی۔ وہ سیاہ فام اور بدصورت تھی۔ اور اسی وجہ سے اُس کا نام بھی جمنا تھا۔ یہ سب جانتے ہیں۔ کہ جمنا کا جل کالا ہوتا ہے۔

جیسے کہ چاند میں ایک سیاہ داغ نظر آتا ہے۔ وَیسے ہی اِن خوبصورت راج کماریوں کے درمیان جمنا تھی۔ چاند میں سیاہ داغ ہوتے ہوئے بھی وہ داغ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جمنا کی بدصورتی بھی اِن خوبصورت راج کماریوں کے درمیان بُری معلوم نہیں ہوتی تھی۔ جمنا اپنی بدصورتی کو جانتی تھی۔ اس لئے ململ کی گلابی ساڑھی کے پلّے سے وہ اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھی۔ اور تمام کی نظر سے بچنے کے لئے وہ سب سے پیچھے رہتی تھی اس کی آنکھوں کی پلکوں سے حیا ظاہر ہوتی تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتی تھی۔ اس کی آواز شیریں اور دِل ڈرپوک تھا۔ وہ بدصورت تھی

اس لئے شرم اس کی دامنگیر رہتی تھی۔ خدا تعالےٰ نے اس کے ہر ایک عضو کو بدنما بنایا تھا۔ جس کو وہ چھپا نہیں سکتی تھی۔ باقی تمام راج کماریاں اپنی خوبصورتی کے نشہ میں مست ہو کر ہنستی گاتی اور ناچتی تھیں۔ ان کا برتاؤ آزادانہ اور رفتار بیباکانہ تھی۔ وہ بسنت کے رُوبرو ہنستی تھیں۔ باتیں کرتی تھیں ہار پہنتی تھیں۔ پھول اُچھالتی تھیں اور آپس میں اُلجھتی تھیں۔ بسنت خوش ہو کر ان کے چرنوں میں بہت سے پھول ڈال دیتا تھا۔ بین بجاتا تھا۔ اور دلکش نظم میں ان کی خوبصورتی کی تعریف کرتا تھا۔ اور جمنا اس وقت خوف اور شرم کے باعث ایک طرف خاموش کھڑی ہو کر اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھی۔ کوئی اُسکی طرف بھُول کر بھی نہ دیکھتا تھا۔

اسے اس قدر شرم تھی۔ اور اس کی اتنی بے عزتی ہوتی تھی تاہم وہ اس جگہ آتی تھی۔ بسنت نے اپنے پھولوں کی مالاؤں میں راگوں میں بین میں باتوں میں ہنسی مذاق میں رنگ و روپ اور جوبن میں ملا کر جو عجیب و غریب راگنی اس کے چاروں طرف پھیلا دی تھی۔ اس کے غیر مرئی قرب نے اس بدشکل کماری کی ضمیر میں ایک ایسا بھُلانے والا اثر بھر دیا تھا۔ کہ اس کے جوش میں باوجود اس قدر ندامت و حقارت کے کسی قسم کی کمی نہیں ہو سکتی تھی۔ دیگر نوجوان راج کماریاں تو ہنسنے گانے اور کھیلنے کے لئے آتی تھیں۔ لیکن جمنا صرف اپنی پیاس بجھانے کے لئے آتی تھی۔ تمام راج کماریاں

اس لئے آتی تھیں۔ کہ بسنت ہماری سیوا کرے تعریف کرے اور ہار پہنائے۔ لیکن جمنا اپنی سیاہ جل بھری اور صاف آنکھوں کی بیقرار نظر سے بھگتی کے بس ہو کر بسنت کی خوبصورتی کی پوجا کرنے کے لئے آتی تھی۔

اگرچہ اس بدصورت شرمیلی اور خاموش لڑکی پر بسنت کو نظر ڈالنے کی فرصت نہ تھی۔ پھر بھی وہ بسنت کی نظر میں اس لئے پڑ گئی تھی کہ وہ اور سب راج کماریوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکتی تھی۔ یعنی اس کا بدصورت ہونا ہی بسنت کے نظر ڈالنے کا باعث تھا۔ ورنہ بسنت اپنی خوبصورت شناس نگاہوں کو اس بدصورت لڑکی پر کیوں ڈالتا۔ اس وقت وہ جوانی کے نشہ میں چور ہو رہا تھا۔

اس بدصورت راج کماری کو وہ اِن خوبصورت راج کماریوں میں سے کس طرح علیحدہ کرسکتا تھا۔ اس لئے بسنت پہلے دوسری راج کماریوں کے لئے مالا تیار کرتا تھا۔ اور اِن سے بچے ہوئے باسی نکمے پھولوں کی ایک مالا صرف تہذیب کے خیال سے بنا رکھتا تھا اور وہ مالا جمنا کو ایسی حقارت کے ساتھ دیتا تھا۔ جیسے کہ بادشاہوں کے دروازے پر گدا کو خیرات دی جاتی ہے۔ لیکن جمنا اس مالا کو دیوتا کا پرشاد سمجھ کر بڑی شردھا کے ساتھ اپنے گلے میں پہن لیتی تھی۔ جس دن کماری اِندرا ایک عجیب طرح گردن کو جھکا کر نازنخرے سے مسکراتی تھی۔ کماری شکلا جاتے جاتے ایک

دو مرتبہ مہربانی کی نگاہ سے پیچھے مڑ کر دیکھ لیتی تھی۔ اور کماری آنند تا دل خوش کن قہقہہ لگا جاتی تھی۔ اُس دن بسنت جمنا کے لئے بھی باسی اور سیاہ رنگ کے اپرا جیتا نامی پھولوں کی ایک مالا بنا دیتا تھا۔ بسنت کا یہ غیر معمولی پرشاد لیکر جمنا کے دل میں اس قدر خوشی بھر جاتی تھی۔ اور وہ اتنی شکر گزار ہوتی تھی۔ کہ اس وقت اسے اپنی شرم و حیا کا بھی خیال نہیں رہتا تھا۔

بسنت کا باغیچہ اسکے لگائے ہوئے اور خود رَو پھولوں سے آراستہ رہتا تھا۔ چاندنی کی روشنی اور خوبصورتی کی چمک دمک سے سجا رہتا تھا۔ پرندوں کی شیریں آواز اور نوجوان عورتوں کی مسکراہٹ اور ہنسی مذاق سے ہر وقت گونجا ہوا رہتا تھا۔ فواروں کی متواتر دھاروں سے اور دلوں کی لگاتار محبت سے سینچا جاتا تھا۔ اور لعل و جواہرات کی روشنی سے اور بڑی بڑی آنکھوں کے غمزے سے روشن رہتا تھا۔ دن کے بعد دن رات کے بعد رات صبح کے بعد شام اور شام کے بعد صبح اس طرح آنند میں وقت بسر ہوتا چلا جاتا تھا۔ اس باغ میں راج کماریوں کا گروہ آنند میں مگن اور شادی ہونے کی خوشی میں مست رہتا تھا۔ بسنت کُسنبہ کے پھولوں کے شوخ رنگ سے ان کی اوڑھنیاں رنگ دیتا تھا۔ سُکھ منڈلی کے پھولوں کو مسلکر ان کے پاؤں رنگ دیتا تھا۔ حنا کے پتوں کے رس سے ان کے ہاتھ رنگ دیتا تھا۔ اور شیریں مسخر اور کلام اور خواہش والی نگاہ سے ان کے دلوں کو لبھانے کی کوشش کرتا تھا۔

ان خوبصورت راج کماریوں کا دِل اِس سے فریفتہ ہوتا تھا یا نہیں۔ اِس کی بابت۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن اِس میں ذرا بھی شُبہ نہیں۔ کہ ان راج کماریوں سے افیون کے پھولوں کی مانند سُرخ رخسارے اور کسنبہ رنگ کی پوشاک۔ اور مہندی سے رنگے ہوئے پاؤں اپنی تمام سُرخی کو اکٹھا کر کے بسنت کے نازک دِل کو خُون کے رنگ سے رنگ دیتے تھے۔ نوجوان کماریاں بسنت سے جس قدر واقفیت بڑھاتی تھیں۔ بسنت اپنے دِل میں اسی قدر خلا معلوم کرتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ اِس ساری خلا کو بھر کر وُہ کسی ایک کو اپنی زندگی کے مندر میں بُلانے کے لئے بیقرار ہو جاتا تھا۔

ایک دن جب شام کے وقت ہر ایک درخت پر پھولوں کے چندوے تن رہے تھے۔ جنوبی ہوا جدائی سے بیہوش ہوئے انسانوں کے سانس کی مانند رہ رہ کر پھُولوں کے بن میں لرزہ پیدا کرتی تھی۔ پھولوں کی خوشبو سے مست ہو کر کوئل اور پپیّا باتیں کرتے تھے۔ اور ہزاروں چراغوں کی روشنی کے درمیان فوّاروں کا جل ہیرے کی مالاؤں کی طرح پڑتا تھا۔ اس وقت بسنت کے محبّت بھرے ساگ بند کر کے راج کماری اِندرا ہُوبہُو لکشمی کی مانند۔ اِس کی جھونپڑی کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوئی بسنت اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھولوں سے بھرے ہوئے ایک دونے کو اِسکے چرنوں میں ڈالکر بولا۔ اِندرا تم باہر کے پھُولوں کو تو ہمیشہ لے جاتی ہو میرے دل کا لاثانی پھُول کیا تمہارے قدموں میں جگہ نہیں پائے گا۔

اور کیا یہ پھولوں کا بن شادی کی خوشی سے اور زیادہ خوبصورتی سے نہیں کھلیگا؟

کماری اندرا ڈیوڑی چڑھا کر پھولوں کو حقارت کی نظر سے پاؤں سے روند کر بجلی کی مانند کڑک کر بولی۔ ایک نیچ مالی کی اتنی بھاری جرأت کیوں رے مہربانی کو تو بیاہ سمجھتا ہے۔ تجھے ایک راج کماری کو اپنی جھونپڑی میں رکھنے کا شوق پیدا ہوا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا ہے کہ مجھ سے شادی کرنے کے لئے کرناٹک دیش جیسے مہاراجہ خواستگار ہوئے ہیں تیری یہ سب جرأت کل اس وقت خاک میں مل جائے گی۔ جب راجہ کے حکم سے تو سُولی پر چڑھایا جائے گا۔

بسنت کے دل میں اس بے عزتی سے جو تکلیف پیدا ہوئی۔ وہ سُولی کی سزا سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جس اندرا کے قدموں میں وہ اپنے دل کے عمدہ سے عمدہ اور نہایت قیمتی پھول یکے بعد دیگرے چڑھا کر خالی ہو گیا تھا۔ آج اسی اندرا نے اسے حقیر سے حقیر سمجھ کر پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ دنیا میں کیا محبت اور وفاداری کا عوض اسی طرح دیا جاتا ہے۔

بسنت نے اندرا کے قدموں میں پڑ کر کہا۔ سُولی پر چڑھانا ہو۔ تو چڑھوا دینا میں منع نہیں کرتا۔ لیکن اے راج کنیا ذرا سوچو تو سہی ظاہرا اگرچہ میں غریب معلوم ہوتا ہوں۔ لیکن باطن میں غریب نہیں ہوں۔ جو اقبال میں نے تمہارے قدموں میں نثار کر دیا ہے۔ اسے تم کسی مہاراج کے بھنڈار میں تلاش کرنے سے کبھی نہیں پاؤ گی۔ غریب

کو سب طرح سے غریب کر کے مت مارو۔

اِندرا ہنسی۔ اور اس کی اِس ہنسی نے بسنت کے دِل کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک گویا آرے سے چیر دیا۔

بسنت نے عاجزی سے کہا میری اتنے عرصہ کی خدمات کے عوض میں ایک آخری درخواست اگر قبول کر لیویں تو بہتر ہے۔ کل صبح سے پہلے تم یہ بات کسی سے ظاہر نہ کرنا۔ میں ایک مرتبہ کماری شکلا اور آنندِ نا کے ساتھ بھی اپنی قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔

اِندرا نے غرور سے کہا اچھا تمہاری درخواست منظور ہے۔ میں خود ہی اُنہیں بلا دیتی ہوں۔ لیکن میں یہ بھی جتلا دیتی ہوں۔ کہ یہ محض تمہاری حماقت ہے۔ بھروسہ رکھو کوئی بھی راج کماری مالی سے شادی نہ کراویگی اور تو کیا سیاہ فام راج کماری جمنا بھی مالی سے شادی کرانا منظور نہیں کرے گی۔ مالی خواہ کتنا ہی خوبصورت اور دلکش کیوں نہ ہو راج کماریاں اس سے شادی نہیں کرا سکتیں۔

جمنا نے تعجب سے کہا۔ بسنت بُلاتا ہے! مجھے؟

خوشی سے۔ شرم سے۔ اُمید سے۔ شبہ سے جمنا کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ وہ اپنی بہنوں کی طرف نہ دیکھ سکی۔ اس نے اِن کی سخت ہنسی پر خیال نہ کیا۔ وہ جانزی کے مانند بڑی خوشی سے اور نئی دُولھن کی طرح لرزتے ہوئے دِل سے شرم وحیا سے آہستہ آہستہ جا کر بسنت کے سامنے خاموش پیشانی جھکائے حیا کھڑی ہوئی۔ بسنت اُس وقت

زمین پر پڑا ہؤا رو رہا تھا۔ اس نے جمنا کی طرف نگاہ تک نہیں کی۔

بسنت کو روتے ہوئے دیکھ کر جمنا کا جگر پاش پاش ہونے لگا۔ وہ نہیں سمجھ سکی کہ میری بے رحم بہنیں بسنت کو کس مصیبت میں مبتلا کر گئی ہیں۔ جمنا اپنے اس مصیبت زدہ رشتہ دار کی طرف آنسو بھری اور رحیمانہ نظر سے دیکھتے دیکھتے کانپتے ہوئے گلے سے تسلی دینے کے لئے بولی۔ ہے بسنت!

بسنت آہ سرد بھر کر زور سے بولا۔ دُور ہو۔ جا۔ جلاد کو بلا لا تاکہ وہ مجھے ابھی شولی پر چڑھا دے۔

شرمیلی۔ دُکھی اور کم گو۔ جمنا آبدیدہ ہو کر آہستہ آہستہ وہاں سے چل گئی اسے بسنت کی تکلیف بسنت سے بھی دوچند محسوس ہونے لگی۔ اگر وہ اپنی ساری طاقت سے تمام شانتی سے، قسمت سے اور راحت سے دُنیا کو چھان کر بسنت کو تسلی دے سکتی تو دینے کو تیار رہتی لیکن اس کی کہیں عزت نہ تھی۔ وہ بدصورت تھی اپنی ناقابلیت سے آپ ہی دُکھی ہونے لگی۔

دیگر خوبصورت راج کماریوں نے ہنس کر پوچھا کیوں ری جمنا! مالی نے تجھ سے کیا کہا؟

اس بات کا جواب وہ بدصورت لڑکی کیا دے سکتی تھی۔ اس نے سرنگوں ہو کر صرف یہ کہا کہ کچھ نہیں۔

خوبصورت راج کماریاں اپنے قہقہہ سے درختوں کے جانوروں

کو ڈراتی ہوئی بولیں۔ واہ رے شوقین مالی تجھے سیاہ فام جمنا پسند نہ آئی سے جمنا! اس بات کا خیال کرنے سے بھی ہم کو شرم آتی ہے کہ تو ہماری بہن ہے۔ اور معمولی مالی بھی تجھ سے نفرت کرتا ہے۔ ہمارے پیچھے پیچھے سایہ کی طرح لگے رہنے سے کیا تجھے شرم نہیں آتی ہے؟

اس بے عزتی سے جمنا کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ ایسا سلوک تو اُس کے ساتھ ہمیشہ ہی ہوا کرتا تھا۔ یہ اس کا زیور تھا۔ لیکن اس کی بہنیں جو بسنت کے دُکھ میں ہنستی تھیں۔ اور اِس کو تکلیف دینا چاہتی تھیں اس سے جمنا کے دِل میں ایسی تکلیف ہونے لگی گویا ہزار کانٹے اسکے جسم میں چبھ گئے۔ وہ انکی اس بے رحم خوشی کو دیکھ کر زندہ رہنے کی نسبت مرجانا بہتر سمجھتی تھی۔ جمنا اگر اپنے خونی آنسوؤں سے بھیگے ہوئے دل سے ڈھک کر بسنت کو اس سخت بیرحمی سے بچا سکتی تو بچا لیتی۔ لیکن کیا کرے بے چاری بے بس تھی۔

اُس پھولوں کے بن کی آہستہ آہستہ ہوا سے بھی جمنا کے دِل کے تالاب میں آج جو اونچی اونچی لہریں اُٹھتی تھیں وہ بڑی پُر درد تھیں۔ آج اِس باغیچہ کے زندہ دل مالی کی تکلیف دیکھ کر پھولوں کا کھِلنا۔ پرندوں کا چہچہانا۔ بھوروں کا گونجنا۔ چاندنی کا چٹکنا۔ اور ہوا کا پتہ پتہ کے ساتھ اٹکھیلیاں کرنا بُرا معلوم ہوتا تھا۔ جمنا باغیچہ کی اس بیرحم اور بے حیا حرکت کو اگر اندھیرے کا سیاہ پردہ ڈالکر ڈھک سکتی تو ضرور ڈھک دیتی۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام باغیچہ میری بہنوں کے جال میں شامل ہو کر بسنت

کی تکلیف سے خوش ہو رہا ہے۔ آج جمنا کی شرم وحیا اس کے مصیبت زدہ دل میں تیز چھری کی مانند لگتی تھی۔

دوسرے دن صبح کے وقت راج کماریوں نے راجہ کے پاس جاکر بسنت کی واردات کا حال بیان کیا۔ اور عرض کی کہ اس بے تہذیب مالی کو سُولی پر چڑھانا چاہیئے۔ راج کماریوں نے بہت عرصہ سے کسی اِنسان کو پھانسی پاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

راجہ کی اجازت سے بسنت راج سبھا میں قید کرکے لایا گیا۔ اس نے بے چون وچرا اپنا قصور تسلیم کر لیا۔ اگر وہ جھوٹ بول کر بھی اپنی خطا کو نہ مانتا۔ تو راج سبھا خوش ہوتی۔ لیکن نہیں بسنت اپنی اِس نااُمیدی کی زندگی سے مَرنا بہتر سمجھتا تھا۔ اِس لئے اس نے کسی طرح بھی اپنی خطا کو نہ چھپایا بسنت کو دیکھ کر سخت زرہ بکتر پہنے ہوئے پہرہ دار کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ واہ کیسا نازک اندام ہے۔ کیا یہ نازک اور خوبصورت بسنت سُولی پر چڑھایا جائے گا۔

راجہ نے راج کماریوں کو تسلّی دے کر کہا۔ ہے راجکماریو! یہ تو پاگل ہے۔ اِس کو اگر تمہاری خواہش ہو تو راج سے نکال دیا جاوے۔ بس اتنی سزا سے تمام معاملہ طے ہو جائے گا!

لیکن راج کماریاں اپنے قول سے باز نہ آئیں۔ وُہ تو نوکر کو سُولی پر چڑھتے ہوئے دیکھ کر ہی خوش ہونگی۔ اور اس کے دِل کو چیر کر اپنے پاؤں کو رنگے بغیر نہ رہیں گی۔

آخرکار چار ناچار حکم دیا کہ بسنت کو عمر قید کی سزا دی جائے۔

راج کماریوں نے کہا اچھا اگر قید کا ہی حکم ہے۔ تو یہ حرم سرا کے قید خانہ میں رکھا جاوے وہاں رکھنے سے اس کے باعث ہمارا کچھ وقت خوشی میں گذرے گا۔

راجہ نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

حرم سرا کی پُر رحم عورتوں کا جن پر غصہ ہوتا تھا۔ ان بدنصیب لوگوں کیلئے حرم سرا میں ایک تاریک قید خانہ بنایا گیا تھا۔ یہ قید خانہ لوہے کے کواڑوں کی مانند دانت ملا کر جسے اپنا لقمہ بناتا تھا اسے زندہ باہر نہ نکالتا تھا۔ ان کواڑوں میں کہیں ذرا سی بھی درز نہ تھی جس سے باہر کی تھوڑی سی روشنی بھی اندر آ جائے۔ صرف تھوڑی سی ہوا آنے کے لئے دیوار اور چھت کے جوڑ میں دو چار چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے اور کھانا پہنچانے کیلئے ایک چھوٹا سا طاق تھا۔ کہ بہت جلدی موت نہ آ جائے۔ اس لئے یہ تھوڑی سی آسانی تھی۔ مصیبت زدہ شخص کو آرام دینے کی غرض سے نہیں تھی۔ پُر رحم عورتوں کا حکم تھا کہ روشنی۔ ہوا اور خوراک جس قدر ممکن ہو ان سب دروازوں سے بلا روک پہنچائی جاوے۔ لیکن اجازت ہونے پر بھی مذکورہ بالا دروازوں سے روشنی اور ہوا پورے طور پر نہیں جا سکتی تھی۔ کیونکہ جس جگہ میں سوراخ تھے۔ اس کے آگے ایک اور پتھر کی بلند دیوار ایستادہ تھی اور جو کھوجن پہنچانے کا دروازہ تھا۔ اس میں ایک معمولی کٹورے سے بڑی کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے اندر جو بد قسمت شخص پہنچ جاتا تھا۔ اسے صبر اور استقلال کے ساتھ مرنے کا انتظار

کے سوا اور کوئی شناختی کا علاج نہ تھا۔ خوراک پہنچانے کا دروازہ اس قدر بلندی پر تھا کہ اس میں سے باہر کا آدمی اندر اور اندر کا آدمی باہر نہ دیکھ سکتا تھا۔ صرف ہاتھ ڈالکر خوراک دی اور لی جا سکتی تھی۔ بھوجن کا برتن خالی کر کے طاق کے اوپر رکھ دیا جاتا تھا۔ اور جس دن برتن خالی نہ ہوتا تھا۔ اُس روز یہ سمجھا جاتا تھا کہ قیدی تکلیف میں ہے۔ اور سات یوم برابر اسی طرح برتن خالی نہ پانے سے یقین کر لیا جاتا تھا کہ قیدی اجل کا شکار ہو گیا۔

بسنت اسی خوفناک قید خانہ میں رکھا گیا۔ اس کی ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس کی محبت کی جگہ تمام خوبصورت چہرے۔ اس کے چاند سورج۔ روشنی آسمان۔ پھول۔ ہوا وغیرہ تمام عزیز اشیاء ہمیشہ کے لئے لوہے کے کواڑوں کی آڑ میں غائب ہو گئیں۔ باہر کی خوشی کی آواز ضرور اس کے کانوں تک پہنچتی تھی لیکن اس کی طرف اس کا دھیان ہی نہ جاتا تھا۔ وہ اپنی مایوس محبت کے شوق میں اس طرح مستغرق رہتا تھا۔ کہ اس کا مذکورہ بالا خوشی کے شور و غل کی طرف دھیان ہی نہ جاتا تھا۔

خوبصورت راجکماریاں قید خانے کے قریب آکر طاق کے پاس ہنس ہنس کر کہتی تھیں۔ کیوں جی خاوند مہاشئے سسرال میں آج کیسا آنند آ رہا ہے۔ اسے شوقین مالی۔ ہم تمہارے گلے میں بر مالا ڈالنے آئی ہیں۔ لو اسے منظور کرو۔ اس کے بعد وہ کانٹوں کی مالا بسنت کے آگے پھینک کر خوب کھلکھلا کر ہنستی تھیں۔ ان کی وہ کانٹوں سے بھی بہت تیز اور درد انگیز ہنسی انکے پیچھے رہنے والی جمنا کے دل میں شول کی مانند چبھتی تھی۔

لیکن یہ راجکماریوں کا بُرا سلوک بسنت کو زیادہ تکلیف نہ دے سکتا تھا کیونکہ ان کا پہلا سلوک ہی ایسا دل شکن ہوا تھا۔ کہ اس کے بعد کی اس نئی تکلیف

کو محسوس نہ کرتا تھا۔

بسنت بہت کچھ التجا کر کے قید خانہ میں اپنی بین بھی لے آیا تھا۔ اندھیرے میں بیٹھ کر جب وہ اپنی واحد بین کو کلیجہ سے لگا کر بجاتا تھا۔ اور اس کے ہر ایک سُر سے اپنے دل کی تکلیف ظاہر کرتا تھا۔ اُس وقت حرم سرا کی تمام عورتیں رنج کے سمندر میں غرق ہو جاتی تھیں۔ اس راج محل میں صرف راج کماریاں ہی ایسی تھیں جو اس وقت ہنس ہنس کر کہتی تھیں۔ دیکھو خاوند مہاشئے آج سسرال میں گانا گا رہے ہیں۔

راج کماریوں کا آنند اور جوش دو ہی روز میں جاتا رہا۔ بسنت کے ساتھ ایک ہی قسم کی ہنسی مذاق سے ان کا جی اُکتا گیا۔ انہوں نے نئے ڈھنگ کی خوشی پیدا کرنے کیلئے کرناٹک۔ کلنگ وغیرہ ممالک کے راجاؤں کی طرف اپنے دل کی توجہ مبذول کی۔

اب راج کماریوں کے نہ آنے سے بسنت اپنی زندگی کے چاروں طرف قدرے خوشی محسوس کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ اب راجکماریاں تو نہیں آتیں لیکن اس کے بھوجن کا برتن دونوں وقت باقاعدہ طور پر طاق میں رکھا جاتا ہے جو اس کے لئے بھوجن لاتی ہے اس کے نازک ہاتھ ہیں۔ وہ کوئی دیاوان عورت ہے۔ وہ اسے ایک کٹورا بھر ستو لاتی ہے اور گلاب جل اور دودھ میں ملائے ہوئے اس ستو کے نیچے طرح طرح کے کھانے چھپے رہتے ہیں۔ کٹورا ایک خوشبودار پھولوں کی مالا سے لپٹا ہوا رہتا ہے۔ اس سے بسنت نے سمجھا کہ اس سنگ دل راج محل کے اندر بھی ایک دو نرم دل والی عورتیں ہیں۔ اس کے دل میں سوال پیدا ہونے لگا۔ کہ یہ دیاوان استری کون ہے؟

رفتہ رفتہ بسنت کا دل اس پُر رحم خادمہ کی طرف رجوع ہونے لگا۔

بسنت بھوجن آبنوا سے دروازہ کی طرف تکتا رہتا تھا۔ کہ کب اس دیاوان استری کے نازک ہاتھ بھوجن کا برتن رکھنے کے لئے آتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے بسنت کو ان ہاتھوں کے درشن کرنے کا وقت ایک طرح سے تحقیق ہو گیا جس وقت طاق سے منہ پر دیوار کا سایہ کچھ پھیکا پڑ تا تھا۔ گھر کا اندھیرا کچھ کم ہوتا تھا۔ اور ہوا آنے کے سوراخوں کے ذریعے جب سورج کی تھوڑی کرنیں اندر آتی تھیں۔ اسی وقت وہ پُر رحم عورت ظاہر ہوتی تھی۔ اس وقت وہ باہر کی ہوا کی سرسراہٹ۔ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اور آنے جانے والے لوگوں کے قدموں کی آہٹ بسنت کو ہر لمحہ بیقرار کرتی تھی۔ اور وہ آنکھوں کو اپنے دل کا مرکز بنا کر بیٹھا رہتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ عورت دیوی کی مانند بھوجن کے کٹورے کو طاق میں رکھ کر ملائم اور شیریں آواز سے پکارتی تھی۔ "بسنت"۔ اس وقت بسنت خوش ہو کر ایک ہی چھلانگ میں قریب جا کر دونوں ہاتھوں سے اس کٹورے کو پکڑ لیتا تھا۔ لیکن اپنے اس ناآشنا اور نادیدہ دوست کے ہاتھوں سے کٹورا لینے میں اُسے بہت وقت لگتا تھا۔

وہ ہاتھ بسنت کی زندگی کا دارومدار تھے۔ انہیں وہ اپنی ساری اُمیدوں اور خواہشات کا سہارا سمجھتا تھا۔ اور بڑے غور سے انہیں ہی دیکھتا رہتا تھا۔ ان ہاتھوں کی خاص صورت کو۔ انگلیوں کی خاص طرز کو۔ ناخنوں کی خاص بناوٹ کو۔ ہتھیلیوں کی لکیروں کی ساخت کو اور داہنے ہاتھ کی کلائی کے ایک چھوٹے سے سیاہ تل کو متواتر دیکھتے دیکھتے بسنت اس طرح واقف ہو گیا تھا۔ کہ ہزاروں میں بھی وہ ان ہاتھوں کو تلاش کر کے نکال سکتا تھا۔ ان ہاتھوں کی انگلیوں کے لگنے سے ہی

بسنت کے بدن میں جو شادمانی پیدا ہوتی تھی۔ وہ صاف طور پر بتلاتی تھی کہ جس کی یہ انگلیاں ہیں وہ جوان استری شرمیلی اور پُر رحم ہے۔ بسنت سوچتا تھا کہ یہ ہاتھ جس بدن کو آراستہ کرتے ہیں۔ یہ دل جس جسم کا متحرک ہے۔ اور یہ شیریں آواز جس جسم کا زیور ہے وہ جسم نہ جانے کس قدر خوبصورت اور لاثانی اور کس قدر قابل تعریف ہوگا۔

ایک دن بسنت سے نہ رہا گیا۔ اُس نے مذکورہ بالا دونوں ہاتھوں کو دبا کر کہا دیوی میرے اوپر نہ قرضہ کا بار کس کی طرف سے چڑھ رہا ہے تم کون ہو جو اس قیدی کو اور بھی مضبوط بیڑیوں سے جکڑ رہی ہو۔ کیا میں قرضدار ہی ہوتا چلا جاؤں گا؟ اس جگہ اس قرض کی ادائیگی کی کوئی بھی سبیل نظر نہیں آتی۔

نوجوان لڑکی نے محبت بھری آواز سے کہا اے مالی تم مت ڈرو جو تمہاری بڑی مقروض ہے وہ ہی اس وقت اپنی شکر گذاری کا ایک حصّہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

بسنت نے متعجب ہو کر پوچھا میرے قرضہ سے دبی ہوئی ہو؟ تم کون ہو؟

جوان استری نے جواب دیا میرا نام سبھدرا ہے۔

بسنت آہستہ سے بولا اے نیک بخت تم کون ہو۔ یہ میں نہیں جانتا ہوں لیکن تمہاری مہربانی کو دیکھ کر مجھے اب پھر دنیا میں آنے کی خواہش ہوتی ہے۔

جوان استری نے گھبرا کر کہا میں اپنی جان قربان کر کے بھی

اگر تمہیں چھڑا سکتی۔ تو ایسا کرنے میں بالکل دریغ نہ کرتی۔ جوان استری کا یہ کلام آنسوؤں سے تر تھا۔ بسنت نے اس لرزتے ہوئے اور بھیگے ہوئے کلام کو اپنے دل میں محسوس کیا۔ اُس نے بھولے پن سے کہا۔ راجکماریاں کیا اس بدقسمت کو کبھی ایک دفعہ بھی یاد نہیں کرتیں؟

نہیں بسنت اُنہیں ایسی حقیر باتوں کو سوچنے کی کہاں فرصت ہے اندرا۔ شکلا اور آنند تا تینوں کرناٹک۔ کلنگ اور مدر دیش کے تخت کو مزین کرنے کے خیال میں مصروف ہو رہی ہیں۔

اور راجکماری جمنا؟

وہ بیچاری بے طاقت کم جرأت اور بدصورت ہے۔ اسکے بیرونی جسم کو تو پرمیشور نے پوشیدہ کر رکھا ہے اور اندرونی حالت کو اُس نے خود چھپا رکھا ہے پھر اُس کی ایسی قسمت کہاں جو تمہارا کچھ خیال کر سکے اور جس محل سرا میں ایک بے خطا شخص ہر لمحہ موت کے منہ میں جا رہا ہے اُسے چھوڑ کر وہ کہاں جاوے۔ اس کی بہنوں نے جو گناہ کیا ہے۔ اس کا کفارہ اسے دینا ہوگا۔

بسنت نے متعجب ہو کر کہا تو جمنا مجھے یاد کرتی ہے؟

بسنت وہ یاد ہی کیا کرتی ہے۔ رات دن تمہارے ہی نام کی مالا جپتی رہتی ہے۔ تم نے اُسے جو اس قدر عرصہ تک پھولوں کی مالائیں نذر کر کے راگ سُنا کر اور محبت کا سبق دیکر خوش کیا ہے تو آج وہ کیا تمہیں مصیبت کی حالت میں بھول جائیگی؛ اتنی بڑی جرأت کرنیکی اس میں طاقت کہاں۔

بسنت شرمندہ ہوکر بولا میں نے تو اسے کسی دن بھی خوش نہیں کیا تھا۔ میں تو اسے بین ماندہ بے خوشبو پھولوں کی ایک دو بیسے ڈھنگی سی مالا بنا کر حقارت سے دے دیتا تھا۔

سُوبھدرا نے مؤدبانہ عرض کی وہ تو اسی مالا کو بڑی عزت سے اپنی پیشانی پر رکھتی تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ کبھی حاصل نہیں کیا تھا۔ اس لئے آپ کی معرفت وہ جو کچھ کم و بیش حاصل کرتی تھی اُسی کو بڑی خوشی سے منظور کرتی تھی۔

اگر ایسا ہے تو اس نے میرے ساتھ شادی کرانا کیوں منظور نہیں کیا؟

اس لئے کہ وہ بدقسمت ہے۔ جس وقت وہ آپ کے پاس گئی تھی اُس وقت آپ نے اس سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ صرف اپنی مصیبت میں مبتلا ہوکر آپ نے اُسے رخصت کر دیا تھا۔

بسنت کا من رنج و راحت میں غلطاں و پیچاں ہونے لگا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ تو اس وقت وہ مجھے دیکھنے کیلئے کیوں نہیں آئی۔

سوبھدرا نے کچھ اُوپر اُٹھ کر اپنی صاف اور خوبصورت نظر کو طاق میں سے ڈالا اور کہا وہ آپ کے دیکھنے کیلئے برابر آتی ہے۔ لیکن بڑی ہی شرمیلی اور کم جرأت ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو آپکے سامنے ظاہر نہیں کرسکتی میں اسی کی مرضی سے آپ کی خدمت کرتی ہوں۔

بسنت نے خوش ہوکر سُوبھدرا کے ہاتھوں کو اور بھی زور سے پکڑ کر کہا۔ اے دیوی تمہاری باتیں سُن کر مجھے اب پھر زندگی کی خواہش ہوتی

ہے۔ کیونکہ دُنیا کی تمام عورتیں اندرا۔ شکلا او۔ آنند تا ہی نہیں ہیں۔ ان میں جمنا اور شوبھدرا جیسی بھی ہیں۔ اے دیوی میں نے جمنا کو دیکھا تو تھا لیکن یہ نہ سمجھا تھا کہ وہ ایسی نیک خصلت ہوگی۔ تمہیں دیکھا نہیں ہے مگر پھر بھی سمجھ لیا ہے کہ تمہاری طبیعت کیسی اچھی ہے۔ جمنا کو بدصورت دیکھ کر جو میں نے اُس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ مجھے اُس کی شرم آج اس کی مہربانی کے باعث ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔ تم اُس سے مجھ ظاہر پرست کی بےادبی معاف کرنے کیلئے درخواست کرنا اور اے دیوی اگر تم مجھ سے شادی کرنا چاہو تو میں بچ سکتا ہوں۔ اسی تنگ و تاریک قیدخانہ سے میں آسانی سے رہائی حاصل کر سکتا ہوں۔

شوبھدرا بولی۔ میں بھی تو جمنا کی طرح بدصورت اور بدشکل ہوں۔

بسنت نے بلند آواز سے کہا۔ خواہ تمہاری شکل سیاہ فام اور بدنما ہو۔ تاہم بھی وہ میرے لئے باعث آرام ہوگی۔ جس کے ایسے رنج دور کرنے والے ہاتھ ہیں جس کا ایسا رحیم دل ہے اور جس کا ایسا مؤدب اور شیریں گلو ہے۔ اس کی خوبصورتی کی حد نہیں ہے۔ اس کا ثانی تمام دنیا میں نہیں مل سکتا۔

شوبھدرا نے کہا تم نے میری نسبت کچھ دریافت تو کیا ہی نہیں؟

بسنت بولا میں اب تمہاری نسبت کچھ بھی معلوم کرنا نہیں چاہتا۔ ایک دفعہ میں اس بیرونی تحقیقات کے جھگڑے میں پڑ کر جمنا کا قصوروار بن چکا ہوں۔ تمہاری اندرونی واقفیت ہی میرے لئے کافی ہے۔ اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ تم شوبھدرا ہو۔ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور میں تم سے

محبت کرتا ہوں۔ یہ آخری واقفیت ہی تم مجھے دیدو۔ کہو دیوی اگر میں یہاں سے مخلصی پاکر باہر جاسکوں۔ تو کیا تم راجکماریوں کی صحبت اور راج محل کی شان و شوکت چھوڑ کر میری جھونپڑی میں رہنے کے لئے چلنا منظور کرو گی ایک معمولی مالی کا ہاتھ تم پکڑ سکو گی ؟

سُوبھدرا کو بڑی شرم دامنگیر ہوئی۔ وہ اپنے منہ سے کس طرح کہے کہ میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ اس کا دل باہر آکر کہنا چاہتا تھا۔ کہ ہاں میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تمہیں چاہتی ہوں۔ سب کچھ چھوڑ کر میں تمہاری جھونپڑی میں آرام سے رہونگی۔ تمہیں خوش رکھنا ہی میرا سب سے بڑا دھرم اور آخری خواہش ہے۔ لیکن بباعث شرم وہ زبان نہ ہلا سکتی تھی۔ وہ ابھی تک جوانی گفتگو کر رہی تھی اس کا باعث یہ تھا کہ اوّل تو بسنت کے اور اسکے درمیان ایک آڑ تھی۔ دوئم بسنت اس سے واقف نہ تھا لیکن ناواقفیت اور آڑ ہونے کے باعث بھی وہ اپنے منہ سے شادی کا وعدہ نہیں کرسکتی تھی۔

جواب نہ ملنے سے بسنت نے پھر کہا۔ کہو سُوبھدرا کہو۔ اس بدقسمت کی رنج و راحت زندگی اور موت تمہارے ہی جواب پر موقوف ہے کیا تم اس معمولی مالی کو قبول کرسکتی ہو ؟

سُوبھدرا حیا سے سکڑ کر بمشکل تمام دھیمی آواز سے بولی بسنت اگر تم معمولی آدمی ہو۔ تو میں بھی تو غیر معمولی نہیں ہوں۔ تم اگر مجھے کالی اور بدصورت جانتے ہوئے بھی قبول کروگے تو تمہاری جھونپڑی میرے لئے محل سے بڑھ کر ہوگی۔

یہ کھنوڑے سے الفاظ زبان سے نکال کر شوبھدرا خود شرم سے پانی پانی ہوگئی۔

بسنت نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔ شوبھدرا میں زندہ رہونگا اور محض تمہارے لئے ہی زندہ رہونگا۔ اب تم میرے لئے کچھ لکھنے کا سامان لا دو جس سے میں اپنی رہائی کی تجویز کر سکوں۔

شب کو لا دونگی۔ یہ کہکر شوبھدرا اپنے مہربان کی مٹھی ڈھیلی کر کے اور اس میں سے اپنے ہاتھ چھوڑا کر چلی گئی۔

قیدی کے خوش الحان راگ سے آج سارا محل یکایک متحیر ہو گیا اس دلکش آواز کو سنکر ہر ایک سننے والے کے دل میں خوشی کی لہر اُٹھنے لگیں لیکن جمنا ایک کونے میں جا کر نہ معلوم کیوں رونے لگی۔

بسنت کا دل آج محبت کا عوض ملنے سے خوش ہو رہا ہے اور اپنی محبوبہ کے نازک ہاتھوں کے چھونے سے اس کے سارے بدن میں خوشی سے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ وہ بیقراری سے رات کی انتظار کر رہا ہے۔ اُسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ اس تاریک قیدخانہ کے لوہے کے سخت کواڑ بالکل کھل گئے ہیں اور وہ چاندنی میں پھولوں کی سیج پر بیٹھا ہوا شوبھدرا کو پھولوں سے سجا رہا ہے۔

تاریک قیدخانہ کے اندھیرے کو زیادہ کرتی ہوئی رات آگئی۔ اسکے بعد اندھیرے کو یکایک خوش کر کے روشن چراغوں کی سنہری شعاعوں نے گویا کالے ریشم کی زری بننی شروع کر دی۔ باہر سے شوبھدرا نے آہستہ سے کہا۔ بسنت!

سُوبھدرا نے کاغذ قلم دوات کو طاق میں سے آگے کر کے کہا یہ لو۔

خوش دل بسنت نے طاق کے راستہ سے آنیوالی برائے نام روشنی کی مدد سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بڑی مشکل سے ایک چٹھی لکھی اور پھر کہا دیوی اقرار کرو کہ یہ چٹھی تم نہ پڑھو گی اور جمنا کو بھی نہ دکھلاؤ گی ؟ اگر مہربانی کر کے اِسے تم اُونتی پوری کے راجہ کے وزیر کے پاس بھیجدو گی تو مَیں اس قید خانہ سے باسانی رہائی پا جاؤں گا۔

سُوبھدرا نے کہا مَیں قسم کھاتی ہوں۔ آپ کے حکم کی حرف بحرف تعمیل کروں گی۔

اُسی رات کو ایک قاصد خط لیکر اُونتی پوری کو روانہ ہو گیا۔

قاصد کو اُونتی پور جا کر واپس آنے میں جسقدر عرصہ لگنا چاہیئے بسنت نے اُس کا اپنے دل میں اندازہ کر لیا۔ اور پھر وہ اپنے تاریک قید خانہ میں جہاں کہ تاریکی کے باعث رات دن میں کوئی تمیز نہ تھی۔ چھت کے سوراخوں میں سے جو سُورج کی معدود کرنیں آتی تھیں۔ اِنکی گھڑی دیکھ دیکھ کر اور سُوبھدرا سے دریافت کر کے دِن شمار کرنے لگا۔

ایک دِن سُوبھدرا نے آ کر کہا۔ بسنت آج اُونتی راج کا وزیر فوج لیکر آگیا ہے لیکن وہ تو آپکی رہائی کیلئے کچھ بھی کوشش نہیں کرتا۔

بسنت نے ہنس کر دریافت کیا۔ تو وہ کس غرض سے آیا ہے ؟

وُہ تو شادی کی تجویز میں آیا ہے۔ کس کی ؟

راج کماری جمنا کے ساتھ اُونتی کے مہاراج کے بھائی کی اور مہاراج

سُوبھدرا اس سے آگے اور کچھ نہ کہہ سکی۔ شرم سے اس کے منہ کی بات منہ میں ہی رہی۔

سُوبھدرا کو شرم کے باعث خاموش دیکھ کر بسنت نے ہنس کر دریافت کیا۔ اور راؤنتی کے مہاراج کے ساتھ کس کی شادی کی تجویز ہے؟

سُوبھدرا کے منہ پر شرم کی سُرخی نمودار ہوئی۔ اس نے نیچا سر کر کے آہستہ سے کہا اس بدقسمت سُوبھدرا کی۔

بسنت نے جوش ظاہر کر کے کہا اچھا تب تو بڑی خوشی کی بات ہے۔

سُوبھدرا بسنت کے جوش ظاہر کرنے سے رنجیدہ ہو کر بولی بسنت یہ خوشی کی بات نہیں ہے۔

بسنت متعجب ہو کر بولا کیوں! اُونتی کا راجہ تو چکرورتی راجہ ہے۔ پھر خوشی کی بات کیوں نہیں

سُوبھدرا نے مضبوط دل ہو کر کہا۔ اُونتی کا راجہ بیشک چکرورتی راجہ ہے۔ لیکن سب کی طبیعتوں کا لُبھانے والا تو نہیں ہے

تب کیا چکرورتی راجہ کی درخواست فضول جائیگی؟

فضول تو ویسے ہی ہوتی اگر راجہ کا بھائی جمنا کو خود دیکھتا۔ تو اُس کی ضد اُسکے لئے ہرگز قائم نہ رہتی۔ اور سُوبھدرا تو اس راج محل میں ایسی گمنام ہے کہ اُسے کوئی شخص نہیں پہچانتا۔ راجہ کے عقلمند سے عقلمند جاسُوس بھی اسے ڈھونڈھ کر نہیں نکال سکتے۔ لیکن البتہ اس محل سرائے میں ایسی راجکماریوں کی کمی نہیں جو راج کی تمنا رکھتی ہوں۔ وہ راجہ کی خواہش کو فضول نہ جانے دیں گی۔

بسنت نے مسکراتے ہوئے کہا سوبھدرا اب میری رہائی بہت جلدی ہونیوالی ہے۔ آج اس تارکی میں ہماری تمہاری یہ آخری ملاقات ہے۔ کل ہزاروں میں تمہارے جن ہاتھوں کو دیکھ کر میں تمہیں پہچان سکونگا۔ آج ان ہاتھوں سے تم مجھے باہر آنے کے لئے مدعو کر جاؤ۔

سوبھدرا نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ طاق میں سے آگے بڑھا دیئے بسنت نے انہیں اپنے بیقرار ہاتھوں سے کس کر جکڑ لیا۔ لیکن اس کے مضطرب ہونٹ اس قدر دور نہ جا سکے۔

دوسرے دن سویرے ہی بسنت کی گہری نیند میں مزاحمت پیدا کر کے قید خانہ کے کواڑ آواز کرتے ہوئے کھل گئے۔ کاشی کا راجہ اونتی کے وزیر کے ہمراہ قید خانہ میں آیا۔

کاشی کے راجہ نے بسنت کے قدموں میں پڑ کر دست بستہ عرض کی کہ مہاراج میری نادانستہ خطاؤں کو معاف کیجیئے۔

وزیر نے آداب بجا کر کہا۔ چکرورتی مہاراج کی جے ہو۔

بسنت کاشی کے راجہ کو خوف سے دور کر کے قید خانہ سے باہر ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں اشنان وغیرہ کر کے لباس فاخرہ زیب تن کیا۔

کاشی نریش نے اپنی خوف زدہ اور شرمیلی لڑکیوں کو بسنت کے سامنے بلوایا۔ وہ سب یکے بعد دیگرے حاضر ہوئیں۔ اور دور سے آداب بجا لا کر ایک طرف سر نیچا کر کے کھڑی ہو گئیں۔ سب کے پیچھے جمنا آئی۔ انہوں نے شرم سے سکڑ کر نزدیک آ کر پرنام کیا۔ اس کے تازہ اشنان کئے ہوئے بالوں

نے بکھر کر بسنت کے دونوں قدموں کو ڈھانپ دیا۔ بالوں کی ملائمت اور تری نے بسنت کے دل کو موم بنادیا۔ اس وقت اس نے جمنا کی پیشانی چھوکر گویا یہ چاہا کہ میں دل کی گہری محبت کے جل سے اپنے پچھلے ناشائستہ سلوک کو دھو ڈالوں۔

کاشی کے راجہ نے کہا۔ مہاراج ان انجان لڑکیوں کا قصور آپ کو معاف کرنا ہوگا۔

بسنت نے کہا میں نے ان سب کو آپ کی اس حقارت شدہ اور ناپسندیدہ لڑکی کے اوصاف سے خوش ہوکر معاف کر دیا ہے۔ اور مجھے خود اس سے معافی مانگنی ہے۔

یہ کہکر بسنت نے اور راجکماریوں کی طرف نہ دیکھ کر صرف جمنا کی طرف اشارہ کرکے کہا جمنا تم میری سابقہ خطاؤں کو معاف کردو۔

جمنا نیچا سر کئے ہوئے ناخنوں سے زمین پر کچھ لکھنے لگی۔ اپنی مغرور بہنوں اور نامہربان باپ کے سامنے اُسے یہ شرم و حیا ناقابل برداشت ہوگئی۔

بسنت اگرچہ اسوقت سب سے باتیں کر رہا تھا لیکن اسکی آنکھیں بیقرار ہوکر حرم سرائے کے چاروں طرف ہر ایک کواڑ کی اوجھل میں کسی کو تلاش کرتی معلوم ہوتی تھیں۔ اسکی شوبھدرا کہاں ہے۔ اسکی خدمتگار کہاں ہے۔ اسکی پیاری کہاں ہے۔ وہ تو اسکی شکل سے ناآشنا ہے۔ اس کے ہاتھوں سے اسکی آواز سے اور اس کے دیاوان دل سے آشنا ہے۔

اپنی درخواست کا جواب نہ پا کر بسنت کی آنکھیں جمنا کی طرف پھر گئیں جمنا کے ہاتھ دیکھ کر اس کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ یہ وہی ہاتھ تھے جو اُس قید خانہ کی تاریکی میں روشنی کر کے مجھے تسلی دیتے تھے۔ وہی انگلیاں وہی ہتھیلی کے نشان وہی کلائی پر تل سب کچھ وہی تھا۔

بسنت کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔

شادی کی شکر گذاری کے لبھانے والے لمس سے جمنا کی صورت بسنت کی نظر میں نہایت ہی خوبصورت معلوم ہونے لگی۔ ایک نہایت خوبصورت ادر لاجسم دیوتا کے بر سے بسنت کی نظر میں جو محبت کا سرمہ ڈالا گیا تھا۔ اس کے باعث یہ معلوم ہونے لگا کہ جمنا لاثانی جوانی سے خوشی اور شیریں پن سے خوبصورتی اور تندرستی کی حالت میں جگمگا رہی ہے۔ بسنت نے اس وقت کاشی کے راجہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا آپ سے میں ایک بھیک مانگتا ہوں۔

بھیک؟ مہاراج آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ ایسے الفاظ سے خطاوار کی خطا اور زیادہ نہ کیجئے۔ مجھے تو حکم دیجئے۔

اچھا آپ نے جو میرا قصور کیا ہے اُس کی پاداش میں میں آپ کے خزانہ کا ایک بیش قیمت جواہر لینا چاہتا ہوں۔

یہ تو آپ کی عنایت ہے۔ اور میری خوش نصیبی ہے۔ حکم دیجئے خزانچی آپ کے حکم کی انتظار کر رہا ہے۔

بسنت نے ہنس کر کہا میں جس جواہر کا ذکر کرتا ہوں اس جواہر کو آپ کا خزانچی نہیں پہچان سکیگا۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کا پتہ لگایا

ہے۔ وہ دور بھی نہیں ہے۔ دیکھئے یہ ہے۔

یہ کہہ کر بسنت نے کچھ آگے جھک کر جمنا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور لوگوں کے تعجب کی پرواہ نہ کر کے اس نے ہنس کر کہا کیوں سُو بھدرا کیوں جمنا ایک چکرورتی راجہ کے ساتھ ایسی دغا؟ ٹھیرو میں تمہیں اس کی سزا دیتا ہوں۔ کاشی سے اونتی کے راج محل میں تمہیں جلا وطن کیا جاتا ہے۔ کیوں یہ سزا منظور ہے معلوم ہوتا ہے کہ آج اونتی کے راجہ کی درخواست فضول نہ جائیگی۔ اگر اونتی کا راج محل تمہیں پسند نہ ہو گا۔ تو وہاں پھولوں کے بنوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ اور اونتی کے مہاراج کو اسی بسنت مالی کی جگہ دیدی جائیگی۔ پھر تو خوش رہو گی۔ اس کی بانسری تمہاری تعریف کیا کریگی۔ اور وہ گلے میں بہت سی کیسولوں کی مالائیں پہنایا کریگا۔ تمہاری اجازت بغیر وہ باہر بھی نہ جایا کرے گا۔

اس وقت جمنا کی حالت بڑی ہی عجیب تھی۔ اس کے دل میں خوشی اور شرم کی لڑائی ہو رہی تھی۔ شرم کی طاقت زیادہ ہونے کے باعث خوشی اپنے ساتھ اس کے جسم کو بھی لیکر گرنا چاہتی تھی۔

کاشی کے راجہ نے اس اعتبار کی ناموافق ساخت سے متحیر ہو کر کہا مہاراج میری یہ ساری خوبصورت لڑکیاں اس وقت شادی شدہ نہیں ہیں۔

بسنت اپنی ہنسی سے ان سب خوبصورت لڑکیوں کو نہایت ہی شرمندہ کرتا ہوا بولا۔ اسے راجہ نہیں میں نے تو سنا ہے۔ کہ یہ کرناٹک کلنگ وغیرہ دیشوں کے تخت کو مزین کریں گی۔

لیکن مہاراج اگر انہیں آپ کے قدموں میں جگہ دیجاوے تو یہ خوشی

سے کرناٹک کلنگ وغیرہ کے راج کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔

بسنت نے مسکرا کر کہا اے کاشی کے راجہ میری خوبصورتی کی خواہش جاتی رہی۔ راجاؤں کے محل میں دل خرید کر مل سکتے ہیں۔ فتح کر کے نہیں۔ یہ جانکر بھی میں غریبی کی حالت میں ہو کر دل فتح کرنے کیلئے نکلا تھا۔ مجھے یہاں ایک ایسا دل مل گیا ہے جو دل کا خواہشمند ہے راج پاٹ کا نہیں۔ اس طرح فتح کرنیکے لئے آ کر میں بڑی خوشی سے شکست کھا گیا۔ میری یہ سیاہ فام رانی ہی میرے راج کو زیب دیگی یہ کون نہیں جانتا۔ کہ جمنا (ندی) کالی ہے۔ اسی لئے اس کا دل عمیق اور ٹھنڈک دینے والا ہے۔ رات (یامنی) سیاہ ہے۔ اسی لئے اس کے جسم میں بیشمار ستاروں کی مالائیں روشن ہیں اور اسی طرح سیاہ کوئلے کے اندر چمکدار ہیرا چھپا رہتا ہے۔ ہے جمنا میں حقارت کی نظر سے تمہیں اپراجیتا کے پھولوں کی مالا دیا کرتا تھا۔ لیکن اب دکھ سے چھٹکارا پا کر میں نے سمجھا ہے۔ کہ تم دراصل اپراجیتا (اجیت) ہو۔ تمہاری مشابہت کسی سے نہیں ہو سکتی :

پرتگیا

بھارت ورش میں دسویں صدی کے شروع میں اتنی چھوٹی چھوٹی خود مختار سلطنتیں قائم ہوئی تھیں۔ کہ ان کا شمار کرنا مشکل تھا جو خودغرض کمزور اور عیش پسند راجا لوگ اپنی اپنی راج دھانی میں تمام تفکرات سے آزاد ہو کر وقت گزارا کرتے تھے۔ اور مسلمان لوگ موقعہ پاکر آہستہ آہستہ پنجاب کی حدمیں اپنا قدم بڑھاتے جاتے تھے۔ ہم جس زمانہ کا حال لکھتے ہیں۔ اسی زمانہ میں چندیل بنسی راہل راجہ کا لڑکا ہرش دیو بندھیلکھنڈ کا راجا تھا۔ وہ بڑا حب الوطن تھا اور ہمیشہ اسی فکر میں مستغرق رہتا تھا۔ کہ بھارت ورش غیر ممالک کے حملوں سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔ سرحدی علاقوں کی حفاظت کرنے کے لئے تمام ملک کی فوج کو جمع کرنا ضروری اور مناسب سمجھ کر اس نے ایک

مرتبہ جُدا جُدا ممالک کی سلطنتوں میں قاصد روانہ کیئے۔ لیکن کسی نے اس کی بات پر غور نہ کیا۔

اُس زمانہ میں بھارت ورش کے اقبال کو زوال آیا ہوا تھا۔ انسانی کوشش سے اس میں اصلاح ہونی ناممکن ہوگئی تھی۔ ایک دن شام کے وقت ہرش دیو بہادروں اور عالموں کے ساتھ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں بھاٹوں نے آکر ان کی تعریف کرنی شروع کی۔ راجا نے اُنہیں ٹھیرا کر کہا۔ کہ میں صرف اسی چھوٹی سی راجدھانی (بندھیلکھنڈ) کا حاکم ہوں۔ تم مجھے تمام دنیا کا شہنشاہ کہہ کر میری ہتک نہ کرو۔

جداگانہ ممالک کے درباروں سے واپس آئے ہوئے قاصد یکے بعد دیگرے راجاؤں کی رائے ظاہر کرنے لگے۔ قنوج سے واپس آئے ہوئے قاصد نے عرض کی۔ مہاراج قنوج کا راجا مہندرپال دیو اور ان کے دربار کے علماء نے راج شیکر شاعر کی بنائی ہوئی ودھ شال بھنجکا روانہ کی ہے اور اس کے سرورق پر اپنے ہاتھ سے آپ کے مضمون کا جواب لکھدیا ہے۔ راجا نے کتاب لیکر دیکھا اس پر لکھا تھا۔ عقلمند لوگوں کا وقت شعر و اشعار پڑھنے میں خرچ ہوتا ہے۔ راجہ نے نفرت ظاہر کرکے سر جھکا لیا۔ دوسرے قاصد نے آکر راجہ کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا۔ اسے راجہ نے خود پڑھا۔ چیدی خاندان کے کل چوری بنس ملدھ تنگ پرستھ دھول" راجہ نے لکھا تھا۔ کہ میں خود طاقتور اور شہزور ہوں مسلمانوں کو آسانی سے شکست دینے کی طاقت رکھتا ہوں دیگر راجاؤں

سے ملک میں اپنی حیثیت کو کم کرنا نہیں چاہتا۔ ہرش دیو نے وزیر سے کہا اسی کو بدبختی کے آثار کہتے ہیں۔ چھوٹے سے کوشل کے راجا کو شکست دیکر اور سمندر کے ساحل کے کمزور راجاؤں پر فتح پا کر کل چوری راجہ بہت مغرور ہو گیا ہے۔

اُس زمانہ میں چول سلطنت میں ویر نارائن یا پرانتک دیو حکومت کرتے تھے۔ اُنہوں نے کیرل دیس کی راجکماری سے شادی کر کے خاصکر کیرل دیس کے راجہ کی مدد سے پانڈو دیش کے راجہ کو شکست دی تھی۔ اور ایک دفعہ لنکا تک فتح کر کے وہاں کے پانچویں کشیپ کو شکست دی تھی۔ ہرش دیو کو یقین تھا کہ ویر نارائن سارے جنوبی ممالک کا چکرورتی راجہ ہو سکتا ہے۔ اِس لئے اس نے اس کی فتوحات پر خوشی ظاہر کر کے اپنی ہمدردی ظاہر کی تھی۔ لیکن ویر نارائن کے رقعہ میں صرف یہی جواب لکھا تھا کہ شمالی ہند بہت دُور ہے۔ تب ہرش دیو نے سوچا کہ میں ایک دفعہ پاس کے راجاؤں سے خود ملوں اور انکی خواہش معلوم کروں بعد میں جو کچھ مناسب معلوم ہو گا۔ اس پر عمل کرونگا۔

تُونیر ندی کا پانی بہت صاف اور سرد ہے۔ اجمیر دلیش میں اِس وقت جہاں تارا گڑھ ہے اِس کی جنوبی سمت سے ہو کر کبھی زمانہ میں تُونیر ندی کی دھارا بہتی تھی۔ علے الصباح کماری کنچھو کا ندی کے سرد پانی میں اشنان کر کے دیو مندر میں داخل ہوئی۔ اس زمانہ کے مطالعہ کرنے والوں کو کنچھو کا نام پسند نہ آئیگا۔ لیکن کیا کیا جائے

شاعری کے شائقینوں کے لئے تواریخی نام میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔
نام کیسا ہی ہو لیکن کماری کنچھوکا بہت خوبصورت تھی۔ کیونکہ اس کے
دیو مندر میں داخل ہوتے ہی ایک شانت مورتی سنیاسی جوان اسے
دیکھ کر دیو پوجا کا منتر بھول من ہی من میں یہ پاٹھ پڑھنے لگا تھا جس کا
مطلب حسب ذیل تھا:-

آج صبح کے وقت گھر میں لکشمیوں کی مانند یہ نوجوان عورتیں آ کر
کھڑی ہیں۔ ان کے سرخ چہرے سنہری کنول کے پھولوں کی مانند
خوبصورت ہیں۔ ابھی پانی سے دھوئے ہوئے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے
کوئے گلابی رنگ کے ہیں۔ ان میں کانوں کے ڈھاوان کمارے لگے
ہوئے ہیں۔ اور بال کندھوں تک لٹکے ہوئے ہیں۔

اس وقت اجمیر میں نئے چوہان خاندان کی سلطنت تھی راجہ گووک
کے لڑکے چندن اس وقت تخت نشین تھے۔ کماری کنچھوکا راجہ
چندن کی ہمشیرہ تھی۔

اس خوبصورت دیوی نے الیشور کے قدموں میں انجلی دیکر سنیاسی
کے قدموں پر سر جھکایا۔ سنیاسی متحیر ہوا اور اٹھ کر کہنے لگا کہ میں آپ
کی تعظیم قبول کرنے کے لائق نہیں ہوں۔ خاصکر اس دیو مندر میں الیشور
کے سوا اور کوئی قابل تعظیم نہیں ہو سکتا۔ کماری نے مسکرا کر کہا کہ
جب چوہان دلیش کے راجہ آپ کے بھگت ہیں تب اگر ان کی چھوٹی
بہن نے آپ کی تعظیم کی تو اس میں کیا نقص ہوا؟

سنیاسی اسطرح حال معلوم کرکے دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ راجکماری اگرچہ جوان معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس کی ہردو چشم سے سادگی ظاہر ہوتی تھی۔ سنیاسی کی جانب دیکھ کر گفتگو کرتے وقت اسکی دونوں پلکیں جو نہی کچھ اوپر اُٹھ کر اور نازک نگاہ کو ڈھک کر جھکیں۔ اُسی وقت سنیاسی کی پیشانی چمک گئی۔ سنیاسی نے دیکھا کہ اسکی رُوح جسم سے پرواز کرکے اس جوان عورت کی کچھ کھُلی ہوئی نظر کے راستہ سے خوبصورتی کے نئے محل میں داخل ہوئی ہے۔ وہ خیال کرنے لگا۔ کہ اب اگر یہ نازنین اپنی دلکش آنکھوں کے پلک کھول کر پھر بھی دیکھے تو بھی اس میں شُبہ ہی ہے کہ گئی ہوئی رُوح پھر واپس آئے یا نہیں۔

اس کے بعد ہی کماری کی دیو بھگتی زیادہ ہوگئی۔ وہ دونوں وقت مندر میں آنے لگی۔ اور کبھی کبھی اپنی لونڈیوں کو بھی ہمراہ لانا بھُول جانے لگی۔

ایک دن سنیاسی مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے آنکھوں کو بند کرکے رُوحانی پرستش میں محو ہو رہا تھا۔ اُسی وقت کماری آہستہ آہستہ اس کے پاس آئی۔ اب تک شام کی آرتی کے لئے مندر کا دروازہ نہ کھُلا تھا۔ سنیاسی کا دھیان جاتا رہا۔ اس نے دھیمی آواز سے کماری سے خیر و عافیت دریافت کی۔ کماری نے کہا میں سنیاس دھرم اختیار کرونگی۔ اور آپکی چیلی بنوں گی۔ کماری دراصل بڑی جوان تھی۔ اس کے بعد ان دونوں کی کیا گفتگو ہوئی

ہم نہیں کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہم اس قدر ضرور کہیں گے۔ کہ دیو مندر کا دروازہ کھلنے سے پہلے ہی ان دونوں کے دلوں کے دروازے کھل چکے تھے۔

اس کے دوسرے دن سنیاسی نوجوان نے دربار میں یہ مضمون پیش کیا۔ کہ میں پروہت ہو کر کماری کنچھوکا کی شادی بندھیلکھنڈ کے راجا ہرش دیو کے ساتھ کرانا چاہتا ہوں۔ راجہ نے یہ بات منظور کر لی سنیاسی لونیر کے پانی میں اشنان وغیرہ روزمرہ کے فرائض انجام دیکر اگرچہ اجمیر سے روانہ ہو گیا۔ لیکن یہ بات اس کے دل میں کھیرتی کہ لونیر کا پانی بہت صاف اور بہت ہی ٹھنڈا ہے۔

یہ سابقہ رسم ہے کہ صلح نہ ہونے سے جنگ کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ چندیل کے راجہ ہرش دیو نے بندھیلکھنڈ کو بھارت ورش کا مرکز بنانے کا مصمم ارادہ کر کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں کیں۔ چند مقامات پر فتوحات حاصل کر کے چیدی خاندان کے کلچوری راجاؤں کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی اسوقت مغرور مگدھ تنگ پر سدھ دھول دنیا سے رحلت کر گیا تھا اس کا بیٹا بال ہرش راجا تھا۔ ممالک متوسط کا موجودہ ساگر ضلع چیدی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ بندھیلکھنڈ کی جنوبی حد پر ساگر ضلع کے شمالی حصہ میں شاہ گڑھ نامی نگر میں فریقین کے درمیانی جنگ ہوئی۔ ایک دن لڑائی پر جانے سے پہلے رانی کنچھوکا

نے خواب میں دیکھا کہ ایک چمکتے ہوئے بادل کے ٹکڑے پر راجا براجمان ہیں اور رانی جتنی دفعہ راجہ کے قدموں کو چھونے کے لئے ہاتھ پھیلاتی ہے اتنی ہی دفعہ تخت اس سے دور ہٹتا جاتا ہے۔ بیدار ہونے پر رانی نے عہد کیا کہ میں میدان جنگ میں بھی اپنے خاوند کے ہمراہ ہمیشہ موجود رہونگی۔ راجہ نے بہت منع کیا لیکن رانی نے ایک بھی نہ سنی۔ اور ہنس کر کہا سنیاسی مہاراج چوہان خاندان کی لڑکیاں لڑائی سے خوف زدہ نہیں ہوئیں۔ رانی راجا کو سنیاسی مہاراج کہا کرتی تھی۔

شاہ گڑھ میں فوج کا شور وغل سنائی دینے لگا۔ پھاگن سدی ترودشی کو دوپہر کے وقت لڑائی شروع ہوئی۔ شام ہونے پر بھی دونوں فوجوں میں کسی کو شکست نہ ہوئی۔ اسی کے وقت رانی کے دل میں ایک جوش کی لہر اٹھی۔ ہرگز وہ ڈیرے میں نہ رہ سکی۔ وہ تیار ہوکر لڑائی کی پوشاک پہنکر گھوڑے پر سوار ہو گئی اور ڈیرے میں جو پچاس پیدل سپاہی موجود تھے۔ انکو ساتھ لیکر جے چندیل بہتی کی جے کہکر ایک طرف سے دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑی۔ رات کے وقت نئی فوج کے آجانے سے تھکی ہوئی فوج نے بے حوصلہ ہوکر میدان جنگ سے بھاگنا شروع کردیا۔ "مارو مارو" کہتی ہوئی بندھیل کھنڈ کی فوج اس کا تعاقب کرنے لگی۔

فتح حاصل کرنے کے بعد راجہ اور رانی دونوں ساتھ ہی اپنے خیمہ میں واپس آئے۔ رانی کے حکم سے اسی وقت کھلی ہوئی چاندنی میں سیج بچھائی گئی۔ لڑائی کی پوشاک اتارنے کے بغیر ہی مہاراج اس

پر لیٹ گئے۔ رانی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ حکیم بلایا گیا۔ لیکن مہاراج نے مستقل ہو کر کہا کہ دوا سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اب علاج کرنا بے فائدہ ہے پھر بھی رانی کی ضد سے حکیم نے مہاراج کے سینے کے زخم پر دوائی کا لیپ کیا۔ اور رانی نے اپنے ہاتھ سے دوائی پلا کر خاوند کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

ہرش دیو نے رانی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا۔ میری ایک بات ضرور ماننی پڑے گی۔ تم عہد کرو۔ کہ میری چتا پر خود جل کر نہ مرو گی۔ مہارانی کا گلا رنج کے سبب رُک گیا۔ اس نے بہ مشکل کہا مہاراج عورتوں کا جو اصلی آرام ہے اس سے مجھے آپ کس قصور کے باعث محروم رکھتے ہیں۔ مہاراج نے رانی کے گرد اپنے بازو ڈال کر کہا دیوی خدا کی دی ہوئی زندگی کو خود کشی کر کے ضایع کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ آرام کی اُمید چھوڑ کر رنج برداشت کرو۔ یہی زندگی کا اصلی مدعا ہے۔ جس منتر سے ہم اور تم دونوں ٹوینر کے کنارے پر دکھشت ہوئے تھے۔ اسی منتر سے برخوردار پشو ورما کو دکھشت کرو۔ لڑکے کی والدہ بن کر ہماری خواہش پوری کرنے کے لئے اپنی زندگی کی حفاظت کرو۔ رانی کے حکم سے برخوردار پشو ورما کو لانے کے لئے اسی وقت سوار دوڑائے گئے ؛

مصوّر

تصویر کھینچنا ہی اس کی زندگی کا مدّعا ہے۔ شاعر جس طرح شعر کو پڑھ کر آوازیں قافیہ اور ردیف کو ملاکر شاعری کے ذریعہ اپنے دل کا خیال ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح جھبی ناتھ اپنی نفیس قلم سے رنگ بھر کر اور خطوط کھینچ کر اپنے دل کا خیال تصویریں صاف طور پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی تصویریں ایسی خوبصورت اور قدرتی ہوتی ہیں۔ کہ انہیں دیکھ کر اصلی چیز کا شبہ ہوتا ہے آسمان میں پرندہ اُڑتا ہے۔ اس کی کھینچی ہوئی تصویر دیکھ کر اسے لوگ جھٹ پٹ نہیں بتا سکتے کہ یہ در اصل جانور ہے یا اس کی تصویر ہے مصوّری میں اسکی ایسی ہوشیاری دیکھ اکثر دیش کے سارے مصوّر دل ہی دل میں اس سے نفرت رکھتے ہیں لیکن جھبی ناتھ کے دل میں حسد و نفرت

ذرا بھی نہیں ہے۔ اس کا دل دُودھ کی مانند صاف ہے۔ وُہ بچّوں کی طرح ہمیشہ خوش رہتا ہے۔

چھبی ناتھ ایک اعلیٰ درجہ کا مصوّر ہے اسکی لیاقت کو عام لوگ نہیں جان سکتے۔ صرف مصوّر ہی اس کے اوصاف سے واقف ہیں لیکن وہ اس بات کو ظاہر نہ کرکے اپنے ہی نام کے بڑھانے میں دل و جان سے کوشش کرتے ہیں۔ چھبی ناتھ تصویر کھینچنے میں مصروف رہتا ہے۔ اسے تعریف حاصل کرنے کی ذرا بھی خواہش نہیں ہے۔

ایک دفعہ راجہ کے دربار میں یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ تمام ملک میں سب سے عمدہ مصوّر کون ہے۔ اس امر کی تحقیق کے لئے راجہ نے ملک کے سارے مصوّروں کو مقرّرہ وقت پر حاضر ہونے کا حکم دیا۔

مصوّروں نے سوچکر آپس میں فیصلہ کر لیا۔ کہ دیہات کے رہنے والے چھبی ناتھ کو یہ راجہ کا حکم کسی طرح معلوم نہ پائے۔ وہ لوگ یہ بات اچھّی طرح جانتے تھے۔ کہ اگر تصویروں کی نمائش گاہ میں چھبی ناتھ کی تصویر آئے گی۔ تو ہم لوگوں کی اُمید کا پھُول مرجھا کر گر جائیگا۔ اور اُس کو ہی فتح نصیب ہو گی۔

رفتہ رفتہ مقررہ وقت بھی آپہنچا۔ سب لوگ راجہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ صرف چھبی ناتھ ہی اس دربار میں حاضر نہیں ہوا۔ راجہ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ میں اس امر کی آزمائش کرنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے سب سے عُمدہ مصوّر کون ہے۔ اس

لئے شروع سال کے اوّل روز تم سب لوگ ایک ایک عمدہ تصویر تیار کر کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ ان تصویروں کے ذریعہ ہی یہ امر تحقیق کیا جائیگا۔
راجہ کا حکم سُنکر مصوّر خوشی سے اپنے اپنے گھر واپس گئے انہوں نے دل ہی دل میں یہ ارادہ کیا۔ کہ چھبی ناتھ کو اِس بات کی مطلق خبر نہیں ہونی چاہیئے۔
ایک ۵ سال کا بچّہ ندی کے کنارے کھیل رہا ہے۔ کھیلتے کھیلتے جب وہ آگے پیچھے دوڑتا ہے۔ تو اسکے سیاہ بال ہوا کے جھوکوں سے اُڑ اُڑ کر نہایت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اسکی خوبصوت اور بڑی بڑی آنکھیں دو کھلے ہوئے نیلے کنول کے مانند خوبصورت اور دلکش معلوم ہوتی ہیں۔
چھبی ناتھ دیکھتے دیکھتے ندی پر آپہنچا۔ وہ ایک عمدہ تصویر کھینچنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے دِل کے مطابق نمونہ نہیں ملتا تھا۔ بچّہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اِسے اِس کی مرضی کے مطابق نمونہ مِل گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اِس کے پاس جاکر دریافت کرنے لگا۔
چھبی۔ تمہارا کیا نام ہے؟
بچّہ۔ (ہنس کر) منوہر۔
چھبی ناتھ دل میں بڑا خوش ہوا۔ کہ نام بھی ٹھیک ہے۔ منوہر دراصل منوہر ہی ہے۔ بڑی کوشش اور لالچ سے اِس بچّے کو اس نے ایک پتھر پر بٹھایا۔ بچّہ ہنستے ہنستے کہنے لگا۔ بھائی یہ تصویر مجھے دوگے؟
چھبی۔ تیار ہونے پر یہی تصویر میں تمہیں دونگا۔ لیکن اِس کے

تیار کرنے میں دو تین دن لگیں گے۔
تم روز ٹھیک وقت پر یہاں آجایا کرو۔
بچّہ۔ (خوش ہوکر) بہت اچھّا۔
چھبی ناتھ نے جیب سے قلم اور رنگ نکال کر تصویر کھینچنا شروع کیا تیسرے دن تصویر تیار ہو گئی۔ بچّہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور مصوّر کا ہاتھ پکڑ کر بڑی ضد سے اسے اپنے گھر لے گیا۔ منوہر کا والد بھی اس منوہر تصویر کو دیکھ کر فریفتہ ہو گیا۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ آہا میرے لڑکے کی تصویر ایسی خوبصورت! پہلے تصویر کی طرف دیکھ کر اور پھر اپنے لڑکے کا مُنہ دیکھ کر وہ دنگ ہو گیا۔ اور خوشی میں اس قدر محو ہو گیا کہ چھبی ناتھ کی خاطر تواضع کرنا بھی بھُول گیا۔
آج نئے سال کا پہلا دن ہے۔ راجہ کا دربار پھُولوں سے آراستہ ہو رہا ہے۔ دربار کے میدان کے وسط میں عمدہ راج سنگھاسن بچھا ہوا ہے۔ دائیں طرف ایک خوبصورت غالیچہ پر انصاف کے خواہشمند مصوّر لوگ اپنی اپنی تصویر لئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ سامنے کی طرف تماشائیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔
ملک کے تمام مصوّر راجہ کے دربار میں حاضر ہیں چھبی ناتھ کو اسکی خبر پہلے ہی مل چکی تھی۔ لیکن وہ جان کر بھی آج اس دربار میں نہیں آیا۔ تصویروں کا امتحان شروع ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے ایسے وقت پر ایک آدمی ہانپتا ہوا راجہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس

کے ہاتھ میں چھبی ناتھ کی کھینچی ہوئی منوہر کی تصویر ہے۔ سب لوگ اس آنے والے شخص کی طرف دیکھنے لگے۔ راجہ کے اشارہ سے پہرے والوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ اس نے آکر اور تصویر پیش کر کے عرض کی۔ مہاراج میں بھی انصاف کا خواہشمند ہوں۔ یہ تصویر امتحان کے لئے لایا ہوں۔

تصویروں کا امتحان شروع ہو گیا۔ راجہ نے ایک ایک کر کے سب تصویروں کا ملاحظہ کیا اور آخر میں منوہر کی تصویر کو دائیں ہاتھ سے اٹھایا انہوں نے بہت عرصہ تک اس کا ملاحظہ کر کے بلند آواز سے کہا کہ جس نے یہ تصویر کھینچی ہے وہی تم سب مصوروں میں سب سے عمدہ مصوّر ہے سب لوگ۔ اس کی تصویر کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک ہی ساتھ دربار کے موجودہ حاضرین کی نظر اسی تصویر پر جا پڑی۔ سب ہی تعجب سے دیکھنے لگے۔ کہ ندی کے کنارے پر ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے خوبصورت نازک بچّہ کی عجیب تصویر ہے اس میں ذرا بھی بناوٹ معلوم نہیں ہوتی۔ اس تصویر کو دیکھ کر تصویر پر سے بچّہ کو گود میں لینے کیلئے تماشائیوں کے دونوں ہاتھ خود بخود ہی آگے کو بڑھتے ہیں۔

راجا:۔ (منوہر کے والد سے) اس تصویر کے بنانے والے کا کیا نام ہے۔ اور وہ کہاں ہے؟

منوہر:۔ اس کے بنانیوالے کا نام مجھے معلوم نہیں۔ اور یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ وہ کہاں رہتا ہے لیکن یہ تصویر میرے بچّہ کی جیتی جاگتی (ہو بہو) اصل صورت ہے۔ ایسی منوہر تصویر میں نے

آج تک نہیں دیکھی۔ اسی لئے مہاراج کی خدمت میں اسے غور کرانے کے لئے لایا ہوں۔

بہت کچھ جستجو کرنے پر بھی مصوّر کا پتہ نہیں لگا۔ راجہ نے منوہر کے والد کو بہت کچھ انعام دیکر اس تصویر کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اُس روز کچھ بھی فیصلہ نہ ہوسکا۔ راجہ نے فیصلہ کے خواہشمند مصوّروں کو بُلا کر کہا۔ تم لوگوں میں کون سب سے عمدہ مصوّر ہے۔ اس امر کا فیصلہ کچھ بھی نہ ہوسکا۔ اس لئے تم لوگ دوبارہ تصویر بنا کر لاؤ۔ مَیں پھر غور کرونگا۔

آج دوبارہ تصویروں کے امتحان کا دن ہے۔ راجہ لباس شاہی پہنکر رانی کے ہاتھ کی گُتھی ہوئی پھولوں کی مالا کو گلے میں ڈالکر گدّی پر براجمان ہیں۔ پیچھے چک کے اوجھل میں شاہی خاندان کی مستورات کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔

اس دفعہ نامعلوم کیا سوچکر چھپی ناتھ تصویروں کی نمائش دیکھنے کیلئے آیا ہے۔ راجہ کے دربار میں ایک طرف تماشائیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ وہاں پر ہی وہ بیٹھا ہے۔ لیکن کسی نے اس کو نہیں پہچانا۔

راجہ کے سامنے تصاویر رکھی گئیں۔ سب لوگ آج کا فیصلہ سُننے کیلئے خواہشمند ہو رہے ہیں۔ غور کرنا شروع ہوگیا۔ ایسے وقت میں چھپی ناتھ کی نظر راج محل کے کونے میں لٹکتی ہوئی ایک تصویر پر پڑی۔ وہ آہستہ سے اُٹھا اور تصویر کی طرف رُخ کیا۔ کسی نے بھی اس طرف نگاہ نہ کی۔ سب لوگ تصویروں کی نمائش دیکھنے میں مشغول ہو رہے ہیں۔ راجہ نے یکے بعد دیگرے سب تصاویر کا معائنہ کیا۔ آخر میں انہوں نے ایک تصویر اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لی ہی تھی کہ اتنے میں "چور چور" اس آواز سے راجہ کا دربار گونج اٹھا۔ راجہ نے دیکھا کہ دو پہرے دار ایک آدمی کو باندھے ہوئے

لئے آتے ہیں۔ پہرے والوں نے راجہ سے عرض کی کہ مہاراج یہ منوہر کی تصویر چرانے گیا تھا۔

راجہ نے بغور چھبی ناتھ کے مصیبت زدہ چہرہ کا معائنہ کیا۔ وہ سر جھکائے قائم مزاجی سے کھڑا ہے۔ اس کے چہرہ پر خوف کا نام تک نہیں ہے۔ تماشائیوں کے شور وغل سے سبھا منڈپ کانپنے لگا۔ راجہ کے نظر ڈالتے سے کچھ دیر میں خاموشی ہو گئی۔

راجا۔ (قیدی سے) تم محل میں کیوں داخل ہوئے؟

قیدی۔ (بے خوف ہو کر) تصویر دیکھنے کے لئے۔

راجہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ اتنے میں منوہر کے والد نے آکر کہا مہاراج یہ وہی مصوّر ہے جس نے میرے لڑکے منوہر کی تصویر کھینچی ہے۔

تماشائیوں میں سناٹا چھا گیا۔ تمام دربار میں خاموشی چھا گئی۔ لوگ خواہشمند ہو کر فیصلہ سننے کی انتظاری کرنے لگے۔

قیدی کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ راجہ نے سنگھاسن سے اُٹھ کر رانی کے ہاتھ کی گُتھی ہوئی پھولوں کی مالا اپنے گلے سے اتار کر چھبی ناتھ کے گلے میں ڈال دی۔

جے کا باجہ بجنے لگا چک کے اندر سے جے کے راگ سُنائی دیئے راجہ کے فیصلہ سے سب لوگ خوش ہوئے۔ صرف جن لوگوں نے فیصلہ کرانا چاہا تھا۔ وہی گردن جُھکائے بیٹھے رہے ؂

وجے

کسنبہ پور واقعہ گو رجہ دیش کے راجہ بند ہوت بڑے آنند سے حکومت کرتے تھے۔ لڑکی مدھوسروا کی خدمت نے فوجی افسر مسمی سریرام کی دشمنوں کے زیر کرنے والی طاقت نے اور دربار کے شاعر مسمی کھشیم سری کے میٹھے شاعری کے رس نے راجہ کو سب طرح سے بے فکر اور خوش کر رکھا تھا۔

مدھوسرا کے جسم میں خوبصورتی کا عمدہ پھول کھل رہا تھا۔ چنچل اور بڑی بڑی آنکھوں میں سفید دودھ کی دھار کے مانند پھولی پتوں کھیل رہی تھی۔ لہراتے ہوئے نہایت سیاہ بالوں اور نازک رفتار سے وہ کالی گھٹا کے درمیان بجلی کی مانند معلوم ہوتی ہے۔

راج سبھا کا بڑا محل ساحل سمندر پر زیب دے رہا تھا۔ وہ سنگ مرمر وغیرہ بیش قیمت پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کی دیواروں پر طرح طرح جواہرات سے جڑی ہوئی تصویریں کھنچی ہوئی تھیں۔ اور اس کے چاروں طرف ایک خوشنما باغ تھا۔ جنوب کی جانب بڑا سمندر موجزن تھا۔ مشرق کی طرف

چھوٹی سی وشاکھا ندی جو آگے جا کر سمندر میں جا پڑتی ہے بہتی تھی۔ شمال کی طرف شہر کے قریب بادلوں کی قطار کے مانند دھوئیں کے رنگ کا منج کیش پہاڑ اونچا سر کئے ہوئے کھڑا تھا۔ اور مغرب کی طرف لائچی کے بیلوں سے چھٹنے والے چندن کے درختوں کا باغیچہ تھا۔ سمندر کی گرج وشاکھا ندی کا شور منج پہاڑ کے درختوں کی سرسبز خوبصورتی اور باغ کی سرسر کرتی ہوئی خوشبودار ہوا راج سبھا کو بہت ہی عمدہ بنائے رکھتی تھی۔ علاوہ اس کے مہاراج کے پاس ہی بیٹھی ہوئی مدھوسُروا اپنے روپ کی چمک دمک سے اُسے روشن کئے رہتی تھی۔

مدھوسُروا کی خوبصورتی اور کُسنبہ پور کی خوشنما کی ساخت سے بڑے بڑے بہادروں کا دل رجوع ہوتا تھا لیکن طاقتور سری رام کی تلوار کے خوف سے سب کو ناامید ہونا پڑتا تھا۔ راجا خوشی کے ساتھ کھشیم سری کے نفیس اشعار کا لطف اٹھایا کرتے تھے۔ مدھوسُروا کو یاد کر کے جس طرح سری رام کی تلوار تیز ہو گئی تھی اسی طرح مدھوسُروا کی حمایت لیکر کھشیم سری کی شاعری بھی پبلک کا دل فریفتہ کرنے والی اور شیرین ہو گئی تھی۔

دشمن پر چڑھائی کرنیکے لئے جاتے وقت سری رام جس دیا متی اور محبت بھری نظر سے مدھوسُروا سے رخصت مانگتا تھا۔ اس نظر سے وہ مدھوسُروا کے قدموں پر کتنے محبت کے پھول اور کتنے درخواست کے پتے چڑھاتا تھا۔ یہ کسی سے پوشیدہ نہ رہتا تھا۔ دشمن پر فتحیابی کے بعد کھشیم سری کی شاعری سے جو بند محل کے چاروں طرف گردش کرتے ہوئے کھنبوروں جیسی خوشی اور رنج سے تر گونج کی آواز نکلتی تھی۔ اس سے مدھوسُروا سمجھتی تھی کہ یہ محبت اور پوشیدہ بیقراری کی گھبراہٹ میں مجھے ہی نشانہ کر کے نکل رہی ہے۔ جسوقت سری رام سپہ سالار شہ زور سے اُونچا

سر کئے ہوئے دربار میں کھڑا ہو کر کہتا تھا مہاراج آپکی محبت بھری زرہ نے میری بڑی حفاظت کی ہیں اسکے باعث آج فتح حاصل کر کے حضور کے سامنے کھڑا ہوں۔ اُس وقت کھشیم شری شرم کے مارے نیچا سر کئے ہوئے لرزتے ہوئے گلو سے اس مطلب کا راگ الاپتا تھا۔ اجی میں تمہاری دام محبت میں اسیر ہوں جس وقت سری رام دشمن کو راجہ کے سامنے لاکر کہتا تھا۔ کہ مہاراج میں اس ناقابل فتح دشمن کو باندھ کر لایا ہوں۔ فرمائیے اس کو کیا سزا دیجاوے اس وقت کھشیم شری آنکھوں میں آنسو بھر کر دیا میٔ کنٹھ سے کہتا تھا۔ قیدی کی بیڑیاں کاٹ دو۔ مہربانی کی بیڑیوں سے اسے ہمیشہ کیلئے باندھ لو۔ سری رام جب کسی نیک کام کے شروع میں دیو درشن کرنے کے مانند مدھو سُروا کمالی کی خوبصورتی کی رونق کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے میں مشغول ہوتا تھا۔ اُس وقت کھشیم شری اپنے پھولوں کے گچھے کی مانند خوشنما نظر کے ذریعہ مدھوسُروا کی آرتی اُتارتا تھا۔ اودھر سری رام دیکھ دیکھ کر ہنستا تھا۔ کہ اُدھر دیکھتے دیکھتے کھشیم شری کی آنکھوں میں پانی بھر آتا تھا۔

مدھوسُروا کی شادی کا وقت آگیا سری رام اس سے شادی کرنے کی خواہش سے بولا۔ مہاراج میں اپنے دل کا خون بہا کر مدت سے آپ کا حکم بجا لا رہا ہوں آج اِس کے انعام کا دِن ہے۔ کھشیم شری نے دست بستہ لرزتے ہوئے منہ سے ڈرتے ڈرتے کہا مہاراج میں نے حتی المقدور زندگی بھر آپکی خدمت کی ہے۔ آج اسکو یاد کر کے انعام دینے کی مہربانی فرمایئے۔

راجہ کو دونوں ہی پیارے ہیں۔ کھشیم شری نے صرف محبت دی ہے لیکن

سری رام نے جان و مال کی حفاظت کی ہے۔ انہوں نے شبہ رفع کرنے اور اپنا اپنا فرض بتحقیق کرنیکی امید سے مدھوسُروا کی طرف دیکھا لیکن وہ دونوں کو محبت کی نظر سے خوش کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر راجہ نے کہا زمین اور عورت کو وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جو بہادر ہو۔ اس لئے تم دونوں کی طاقت کی آزمائش ہونی چاہیے۔

سری رام کا چہرہ اُمید سے کھل اُٹھا اور سینہ اُبھر آیا۔ اس کی طرف دیکھ کر مدھوسُروا کچھ مسکرائی لیکن جونہی اس نے کھشیم شری کے پژمردہ چہرہ کی طرف دیکھا۔ اسی وقت وہ مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔

کھشیم شری نے کہا مہاراج شاعر محبت اور خوبصورتی کے طالب ہوتے ہیں۔ اور عورت محبت کو چاہتی ہے اس لئے ہماری محبت کتنی گہری ہے اس کی آزمائش ہونی چاہیئے۔ مدھوسُروا کی خوشنما نظر کے پڑنے سے کھشیم شری کا خوبصورت چہرہ کھل اُٹھا۔ سری رام بیقرار ہو کر راجہ کے منہ کیطرف دیکھنے لگا۔ مہاراج بولے کمزور آدمی جب خود اپنی ہی حفاظت نہیں کر سکتا۔ تو میری سلطنت اور لڑکی کی کون حفاظت کریگا۔ سری رام نے میان سے تلوار نکال لی اور مدھوسُروا کے مسکراتے ہوئے منہ کی طرف دیکھا۔ کھشیم شری گانے لگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ محبت سے دشمن پر فتح پاؤنگا۔ اور محبت کی طاقت سے طاقتور ہو جاؤنگا لڑائی جھگڑوں سے ہل چل مچی ہوئی سلطنت لینے کی نسبت تو لڑائی جھگڑوں سے بری درخت کے نیچے رہنا اچھا ہے۔ اس طرح جب ہر ایک اپنی بات پایۂ ثبوت کو پہنچا کر مدھوسُروا کی دیا مئی نظر کی خوش قسمتی حاصل کرتا تھا تب وہ تو خوش اور دوسرا غمگین ہو جاتا تھا۔ آخر میں راجہ نے کہا۔ تم دونوں میں

جو طاقتور ہو گا۔ ایسے ہی میری لڑکی ملے گی۔ پرسرام نے اپنی خوش قسمتی سے مغرور ہو کر کھشیم شری کی طرف حقارت سے دیکھا۔ کھشیم شری نے دھیمی آواز سے کہا اچھا تو زور آزمائی ہی ہونے دیجئے۔ تب مغرور پرسرام نے تلوار نکال کر کھشیم شری کو سامنے آنے کے لئے للکارا۔ کھشیم شری کی مضطرب نظر کچھ دیر کے بعد مدھوسروا نے کہا۔ اس طرح سے طاقت کی آزمائش کرنا بعید از انصاف ہے۔ کیونکہ ایک تو بچپن سے ہتھیاروں کے استعمال سے بالکل ناواقف شاعر ہے۔ اس طرح کی غیر مساوی لڑائی میں طاقت کی نسبت عقلمندی یا چالاکی کی ہی فتح ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ اس کے علاوہ ہتھیاروں کی لڑائی میں کسی ایک کے مرنے یا قتل ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ اور یہ ہمیں منظور نہیں۔ یہ سُن کر پرسرام نے مدھوسروا کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھا۔ راجہ نے کہا اچھا۔ تو بازوؤں سے زور آزمائی ہونی چاہئے۔ لیکن مدھوسروا نے اسے بھی ٹھیک نہ سمجھا آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ کون کس قدر بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔ یہ دیکھ کر طاقت کی پڑتال کی جائے۔

موسم سرما کے سورج کی سنہری شعاعیں ابھی دربار کے صحن میں اچھی طرح نہ پھیلی تھیں کہ دربار کا کمرہ لوگوں کے ہجوم سے کھچا کھچ بھر گیا۔ بیتالک یعنی بھاٹ نے مہاراج کے تشریف لانے کی خبر دی۔ کھشیم شری نے روزمرہ کی طرح مہاراج کی تعظیم بجا لا کر ایک راگ گایا۔ لیکن آج کا راگ بہت ہی مختصر اور درد انگیز تھا۔ نوبت بجنے لگی۔ راجہ کے حکم سے آزمائش شروع ہوئی۔

سری رام بڑی بڑی وزنی چیزوں کو اٹھانے لگا۔ ایک دوسرے سے زیادہ زیادہ وزن دار چیزیں اس کے روبرو لائی گئیں۔ اور وہ انہیں اوپر اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا۔ آخر میں ایک بڑے پتھر کو وہ اپنی چھاتی کی اونچائی تک لے گیا۔ اس سے آگے اس کی طاقت نے جواب دیدیا۔

اب کھشیم شری کی باری آئی۔ اس کا ہمیشہ کھلا رہنے والا چہرہ آج موسم سرما کی صبح کی مانند بارونق اور بشاش تھا۔ جب وہ بوجھ اٹھانے کیلئے آگے بڑھا۔ تب سینکڑوں ہزاروں آنکھیں اس کم طاقت پر رحم اور کامیابی کی خواہش کی بارش کرنے لگیں کھشیم شری نے ایک دفعہ سمندر کی ساکن اور عمیق صورت کی طرف دیکھا ایک دفعہ وشاکھا ندی کی جانب نگاہ کی۔ ایک دفعہ منج کیش پہاڑ کی طرف دیکھا۔ ایک بار الائچی کی لتا سے گھرے ہوئے چندن کے درختوں کی قطار کی طرف نگاہ کی۔ اور آخر میں مدھوسروا کی طرف کئی دفعہ دیکھ کر وہ اپنے آپ کو بھول گیا۔ اس کے بعد ہی اس نے پاؤں کے پاس پڑی ہوئی اس بھاری پتھر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔

کھشیم شری کی فتح سے سبھا میں خوشی کا شور مچ گیا۔ اہل سبھا کی نظر کی چوٹوں سے سری رام کو اپنی شکست ہزار گنا ناقابل برداشت معلوم ہونے لگی شرم سے اس کے منہ پر پسینہ آگیا چہرہ کا رنگ اڑ گیا آنکھیں نیچی ہو گئیں راجہ نے کہا شاباش کھشیم شری شاباش۔ تمہاری محبت کی فتح ہوئی ہے اس بھاری وزن کو اب اوپر اٹھائے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے

اسے پھینک دو۔

فتح سے خوش ہوئے شاعر کے کانوں میں راجا کے مذکورہ بالا قول نے دخل نہیں کیا۔ وہ مدھوسُروا کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہوا اس بھاری وزن کو جوں کا توں اوپر اٹھائے ہوئے ستون کی مانند بے حس و حرکت ہو گیا۔ لوگ چاروں طرف سے کہنے لگے پھینک دو۔ پھینک دو۔ پتھر کو پھینک دو لیکن شاعر جوں کا توں قائم رہا۔ اس کے چہرہ سے ہنسی ظاہر تھی۔ اور اس کی آنکھیں مدھوسُروا کے چہرہ پر لگی ہوئی تھیں۔ مدھوسُروا بولی۔ شاعر کے ہاتھ سے پتھر کو سہارا کر اتار دو۔ یہ سنتے ہی کئی آدمیوں نے پتھر کو پکڑ کر شاعر کے ہاتھ سے کھینچا۔ کھینچتے ہی کھشیم شری کا بے جان جسم پتھر کی تصویر کے مانند زمین پر گر پڑا۔ فتح سے مست شاعر کی اس طرح جان نکل جانے سے راج سبھا کی خوشی کے نعرہ پر موت کا ایک ... ہی درد انگیز پردہ پڑ گیا۔ ادھر مدھوسُروا بھی اپنے فتحمند خاوند کی اس شاندار موت سے خوشی اور رنج کے سبب غش کھا کر گر پڑی اور اس کی رُوح جسم سے پرواز کر گئی۔

سچی پوجا

تقریباً بیرہ سو برس کا عرصہ گزرا۔ انگ دیش میں ست سین نامی ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ یہ راجہ اندھر خاندان کا تھا۔ اسکے بزرگوں نے دکن سے آکر انگ دیش میں سلطنت قائم کی تھی۔ ست سین نے چمپا نگری میں راجدھانی قائم کرکے اپنی سلطنت کو شمال میں متھلا اور متس دیش تک اور جنوب میں گنگا ندی کے خوبصورت ساحل سے کلنگ کے گھنے بن تک بڑھا لیا تھا۔

اس زمانہ میں عروج حاصل کردہ بودھ مت اور زوال پذیر ویدک دھرم میں اختلاف پیدا ہو رہا تھا۔ اس اختلاف کا ہی شاید یہ اثر تھا۔ کہ اس زمانہ کے راجاؤں کو سیر سے سستی آتی تھی۔ طاقتور اور صاحب اقبال ست سین راجا رات کو جاگتا تھا اور دن کو سوتا تھا۔ یہ درست ہے کہ

جس وقت تمام لوگ سوتے ہیں اُس وقت عابد لوگ جاگتے رہتے ہیں خوفناک شکل راجہ رات کو تانترک بن جاتا تھا! ورعلی الصباح ویدک پوجا پاٹ سے فارغ ہوکر نو بجنے سے پیشتر ہی سونے لگتا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس وقت دلیش میں بودھ مت کے عروج کا وہی اثر تھا جو افیون کے نشہ کا ہوتا ہے۔
اس وقت جو تھوڑی بہت کتابیں۔ کاغذ کتبے۔ دہات کے سکوں پر کے احکام دان پتر وغیرہ ملتے ہیں۔ اِن سے اِس امر کی تحقیق ہوتی ہے کہ شام سے پہلے ہی ست سین کے ہاتھ پاؤں تلوار اور چابک وغیرہ کھل جاتے تھے اور قصور وار اور بے خطا پارسا اور لامذہب وغیرہ سب ہی کے کندھوں اور پیٹھوں پر بلا غور اور مصیبت کے پڑنے لگتے تھے۔
ساری رعایا تھر تھر کانپتی تھی۔

ست سین کے اور کوئی اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی۔ اس کا نام مندرا تھا وہ تیر کمان لیکر گھوڑے پر چڑھتی تھی۔ اور جس جگہ اور جس وقت مرضی ہو پھرا کرتی تھی۔ بن۔ پہاڑ۔ جنگل خشک زمین اور مرگھٹ وغیرہ غرضکہ ہر جگہ بلا مزاحمت جاسکتی تھی نشانہ لگانے میں وہ تاک تھی۔ جانور پرندے۔ شیر۔ چور۔ راہزن وغیرہ تمام اِس سے کانپتے تھے۔

مندرا کا جسم دُبلا پتلا تھا۔ اس کے بھونرے کی مانند سیاہ بال رانوں تک لہراتے تھے۔ بڑی بڑی اور سیاہ آنکھوں کے درمیان اس کی تیز نگاہ قائم رہتی تھی۔ سولہ برس کی خوبصورت لڑکی کی مانند وہ نہایت دلکش تھی۔ لیکن اس کے کنول کی ڈنڈی کی مانند نازک ہاتھ پتھر سے بھی زیادہ

سخت تھے۔ وہ ہرنی کی مانند چنچل اور ہوا کی مانند تیز رفتار تھی۔

مندرا کے سوئمبر کا چند مرتبہ ذکر ہوا۔ لیکن آٹھ سو میل کے فاصلہ تک کسی جوانمرد کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ اس کے ساتھ شادی کرنے کی کوشش کرے۔

صرف یہ ہی نہیں کہ وہ کسی کو پسند نہ کرتی تھی۔ بلکہ وہ سمجھتی تھی۔ کہ تمام آدمی خوفناک۔ چور۔ بدمعاش اور رہزن ہیں۔ اس بات کی ممانعت نہ تھی کہ کوئی اسکی سلطنت میں آمد و رفت نہ کرے۔ نہیں جس کسی کو آنا جانا ہو خوشی سے آئے جائے۔ اور وہاں رہے لیکن کوئی شادی کا ذکر نہ کرے بس اس انگ راج میں سب سے زیادہ خوفناک بات یہی تھی۔

راجہ ست سین بھی مندرا سے ڈرتا تھا۔ ملک کے دوسرے راجا اور ساری رعایا بھی اس خوف زدہ رہتی تھی۔ پھر اس کی شادی کا ذکر کون کرے۔ مندرا کنواری رہ گئی۔ اس کی شادی نہ ہوئی۔

مندرا کی والدہ نہ تھی۔ والدہ کے انتقال کے بعد اپنے والد کا سارا بوجھ اس نے اٹھا لیا تھا۔ اس طرح وہ عجیب لڑکی اس زمانہ میں سلطنت کا بوجھ جوانی کا بوجھ رنج و راحت کی یادداشت کا بوجھ۔ گیان کا بوجھ اور دھرم کا بوجھ لیکر اپنی زندگی کے راستہ میں تنہا کھڑی تھی۔

راج سبھا کے بڑے بڑے مکان میں آج بہت سے وزیر۔ بڑے بڑے اہلکار اور رفیق سلطنتوں کے چند راجکمار موجود ہیں۔ مندرا مہاراج کے سنگھاسن کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہے۔ ایک طرف کرن سورن کے راجپوت کمار ناتک سنگھ اونچی گردن کئے ہوئے اس عجیب غریب لڑکی کی خوبصورتی

کو دیکھ رہے ہیں۔ نائک سنگھ خوبصورت شکیل اور بہادر ہے۔ وہ مندرا کی شادی کی خواہش سے چمپا نگری میں آئے ہیں۔

ایک ہفتہ کے بعد اماوس ہے۔ اسلئے کالی دیوی کی پوجا کے انتظام اور منتر وغیرہ کے بارے میں غور ہو رہا ہے۔ سبھی کی یہ رائے ہے کہ سابقہ دستور کے مطابق انگ دیش میں کالی دیوی کی پوجا ضرور ہونی چاہیئے

راجہ ست سین بولے کماری مندرا سے بھی تو دریافت کر لینا چاہیئے۔

مندرا اٹل اور قائم نظر سے زمین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور کسی گہری فکر میں غرق تھی۔ آہستہ آہستہ سب کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ راجہ کو وزیروں اور رعایا کے لوگوں کو سب کو سستی آنے لگی۔

مندرا کی نیند نہ آنیوالی آنکھوں کو بھی سستی نے گھیر لیا۔ بہت کوشش کرنے پر اس کی بھی آنکھیں جھپکنے لگیں۔

اُسی وقت اس بڑی سبھا کے مکان کے دروازے پر ایک بھکشک آکر کھڑا ہو گیا۔

بھکشک کا نہ سر مُنڈا ہوا تھا۔ اور نہ اس کے ہاتھ میں کمنڈل تھا۔ ایک سفید چادر سے اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا۔ اس لئے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ لڑکا ہے یا جوان۔ موٹا تازہ ہے۔ یا دُبلا پتلا۔

اس کی نظر ویراگ سے بھری ہوئی تھی۔ اور اس کی صورت دلنواز والی تھی۔ اس کے سر کے بال کچھ کچھ جٹاؤں کی شکل اختیار کئے ہوئے تھے اس کے موتیوں کی مانند دانتوں کے درمیان برف جیسی ہنسی کی ریکھا جھلکتی

تھی۔ اور اس کی روشن پیشانی سے قدرے فکر معلوم ہوتا تھا۔ اس کا رنگ سفید اور چمکیلا تھا۔

بھکشو نے آہستہ آہستہ اندر جا کر کہا سب کا کلیان ہو۔

اس آواز کے سنتے ہی اس عظیم محل کے ہزارہا آدمیوں کی خواب آلودہ آنکھیں اس پر جا پڑیں۔

نیند میں یکایک مزاحمت ہونے سے راجا ست سین کو بڑا ہی غصہ آیا۔ وہ بولے یہ آدمی چور ہے۔

بھکشو نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا آپ کا کلیان ہو۔

تب مندرا نے اپنے والد کے کان میں کچھ کہہ کر بھاپن کے مانند غصہ ہو کر پوچھا۔ تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟

بھکشو:۔ وشو راج کے۔

مندرا: معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی بھیس بدلے ہوئے ڈاکو ہو۔

بھکشو:۔ کلیان ہو۔

مندرا:۔ کلیان کون کرے گا؟

بھکشو:۔ جیو اپنا کلیان آپ ہی کرتا ہے۔

مندرا: میں تمہاری رائے قرضہ کے طور پر لینا نہیں چاہتی۔

بھکشو:۔ میں قرضہ نہیں دیتا۔ دان کرتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس بڑے راج میں کالی دیوی کی پوجا کی تیاری ہو رہی ہے جو بہت ہی قابل نفرت اور ہنسا کا کام ہے۔ یہ دنیا کی ابتدائی حالت کی ناواقفیت کا ہی

نتیجہ ہے۔ آپ گیان حاصل کر کے اِس کام کو چھوڑ دیں۔

وزیر اعظم بولا یہ کوئی بُودھ مت کا بھکشو ہے۔ سپہ سالار رام نارائن نے کہا۔ اِس کو باندھ کر سولی پر چڑھا دینا چاہیئے۔

مندرا غصہ سے جل اُٹھی۔ اس نے سخت الفاظ میں کہا۔ کالی کی پوجا ضرور ہو گی۔ اور اس میں سینکڑوں ہزاروں جانور قربان کئے جائیں گے۔ کیا اس میں تمہارا کیا نقصان ہے؟ اور کیا تم جیسے حقیر آدمیوں میں اس کے بند کرنے کی طاقت ہے؟

راجہ بہت ہی خوش ہو کر ہنسنے لگا۔ لوگوں نے سوچا تھا کہ مندرا کالی پوجا کے بارے میں مخالفت ظاہر کرے گی لیکن انہوں نے دیکھا کہ یکایک اس روکاوٹ کے آجانے سے اس کا خیال تبدیل ہو گیا۔ مندرا کا مزاج ایسا ہی تھا۔

بھکشو بڑے غرور سے اونچا سر کر کے مندرا کی سُرخ آنکھوں کی طرف قائم مزاجی سے دیکھنے لگا اور بولا۔ راج کماری مندرا اِسوقت میں تمہیں ہی کالی سمجھتا ہوں۔ کہو کتنے ہزار قربانیوں سے تمہاری تسلّی ہو گی۔

مندرا۔ تو دیوی کی بُرائی کرنے والا اور بدچلن ہے۔ اس لئے میں پہلے تیری ہی قربانی کر کے تسکین حاصل کروں گی۔

بھکشو۔ اگر اس حقیر آدمی کی قربانی سے تمہارے اور تمہاری رعایا کے دِل میں رحم پیدا ہو جاوے۔ تو مَیں تیار ہوں۔ یہ درست ہے کہ ناقابل فتح پر کرنی کی قتل کرنے والی طاقت کو روکنے کا زور مجھ میں نہیں ہے

پھر بھی اگر پرکرتی چاہے۔ تو وہ خود اسے روک کر دنیا کو آنند روپ بنا سکتی ہے۔ اس لئے میں اسے برانگیختہ کرنے کے لئے مائل ہوں۔

مندرا۔ کس تدبیر سے؟

بھکشو۔ صرف ذریعہ بن کر یعنی خدمت کر کے۔ گیان کا پرچار کر کے اور سنجم کی تعلیم دیکر۔ کماری یہ عظیم سلطنت زوال پذیر ہو رہی ہے۔ جب راجا کے دل میں دیا نہیں ہے اور وہ کسی کو نفس کشی کرنا نہیں سکھلاتا تب تم تحقیق طور پر سمجھو۔ کہ ایک راجا نیست و نابود ہو کر ہزاروں راجا ہو جائینگے اور دیس میں فساد برپا ہو جائیگا۔ جب دہرم کی جلتی ہوئی آگ راج سنگھاسن سے بھرشٹ ہو کر اور کوئی ذریعہ قبول کر لیتی ہے۔ اور اس عظیم غدر کے وقت دیا محبت۔ پاکیزگی۔ سمتا۔ بھاؤ۔ شانتی اور پریتی وغیرہ اچھے اوصاف نہیں ہوتے ہیں۔ تب اس میں سب ہی جل جاتے ہیں۔ اس بڑی بھاری سلطنت میں گناہ کا دخل ہو گیا ہے۔ یہاں شراب و گوشت شرادھ اور ستی کے دہرم کا ستیاناس کیا جاتا ہے۔ اور بیکس اور بے زبان جانوروں کی قربانی کر کے گناہ کو مدد دی جاتی ہے۔ ہے کماری مندرا کالی پوجا کی ازسر نو پرتشٹھا کرا کے یہ سب لوگ بے سوچے سمجھے بُرے نفس امارہ کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تمہیں چاہیئے۔ کہ اس جانوروں کی قربانی کی بجائے نفس کشی کی تعلیم دیکر پوجا پرتشٹھا کرو۔ یہ نفس کشی ہی اصلی کالی کی پوجا ہے۔ یہ بدھ مت کا بھکشو بھی تمہاری اس پوجا کا پرشاد لیکر کھائیگا۔

یہ اُپدیش سنتے سنتے بہت سے لوگ پھر اونگھنے لگے۔ راجہ صاحب

کا ان میں پہلا نمبر تھا۔ مندرا نے کہا یہ آدمی پاگل ہے۔ اِسے دیودت پُجاری کے گھر میں قید کر کے رکھو۔

بوڑھا دیودت پُجاری کالی دیوی کا بڑا بھگت تھا۔ اِس کا ایک دامن داس نامی لڑکا تھا جس کی عمر تقریباً پندرہ سال کی ہو گی۔ وہ ایک بیل کے درخت کے نیچے بیٹھ کر وید کا پاٹھ کرتا تھا۔ اِس کی بوڑھی والدہ ہری نام کی مالا جپا کرتی تھی۔ پجاری کے گھر میں ان تین شخصوں کے علاوہ ایک ست وتی نامی لڑکی اُور تھی۔

ست وتی دیودت کی لڑکی ہے۔ لیکن کیسی لڑکی ہے۔ یہ سب کو معلوم نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ کسی کھشتری کی لڑکی ہے۔ جب وہ چھوٹی سی تھی۔ تب دیودت اسے متھلا سے لے آیا تھا۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ایک دفعہ دیودت ماگھ کی پورنماشی کے میلے میں گیا تھا اور وہاں اسے گنگا ندی کے کنارے اکیلی پڑی دیکھ کر اُٹھا لایا تھا۔ ست وتی کی عمر اس وقت ۱۷ سال کی ہے۔

ست وتی بہت ہی خوبصورت ہے۔ اِس کا کنول جیسا چہرہ ہمیشہ ہی کھلا رہتا ہے۔ گھر کے کاروبار میں وہ بڑی سمجھدار ہے۔ خدمت کرنا ہی اس کا نیم ہے۔ اِسی نیم میں اس کی زندگی اور جوانی بڑھی ہے اور پلی ہے۔

سپہ سالار اعظم نارائن سنگھ ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے دیودت کے مکان پر پہنچا۔ قیدی بھکشو اس کے ساتھ تھا۔

دیودت اسے دیکھ کر باہر صحن میں آ کھڑا ہوا۔

باپ کے حکم سے دامن داس نے رات کو پہرا دینا قبول کیا۔ دن کی نگہبانی کا بوجھ ست وتی پر رہا۔

بھائی بہن کو بھکشو کی نگہبانی کا بوجھ سپرد کر کے دلیودت منتر جپنے کیلئے پھر گھر میں چلا گیا اور دامن داس اپنے وید پاٹھ میں لگ گیا۔ ست وتی جرأت کر کے بھکشو کے سامنے کھڑی ہو گئی اور بولی "میں آپ کس نام سے پکارا کروں؟"

بھکشو۔ کماری میں تمہاری ہتھیلی دیکھنا چاہتا ہوں۔

ست وتی نے ادب سے اپنی ہتھیلی اس کے آگے کر دی۔

بھکشو۔ اسے اچھی طرح دیکھ کر حیران ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسے کوئی پرانی بات یا کوئی پرانا ٹوٹا ہوا تعلق یا کوئی پوشیدہ بات یاد آ گئی ہے۔ اس نے بہت ہی دکھ بھری آواز سے کہا "امیتا آجیہ"

ست وتی۔ تم نے یہ کیا کہا؟

بھکشو۔ تم مجھے شرن بھیا کہہ کر پکارا کرو۔ ست وتی نے چونک کر پوچھا کیا تم میرے شرن بھیا کو جانتے ہو؟

بھکشو۔ اگر جانتا ہونگا تو کیا تعجب ہے۔

ست وتی۔ میں انہیں خواب میں دیکھا کرتی ہوں۔ گنگا ندی کے شمال میں ہمالہ سے لگا ہوا ایک بن ہے۔ سیتا وہیں پیدا ہوئی تھی۔ بہت ہی سہاونا بن ہے۔ وہاں سونے کے پرندے جہاں تہاں درختوں پر اڑا کرتے ہیں۔ اور رشیوں کی مانند سیدھے سادے لوگ وہاں بستے ہیں۔ اسی بن میں میرے شرن بھیا رہتے ہیں۔

بھکشو۔ نہیں بہن اُس بن میں نہیں رہتا۔ وہ بن تو اس وقت شیروں اور ریچھوں سے بھرپور ہے۔ میں ایک بدھ بھکشو ہوں۔ دیش دیش میں دھرم پرچار کرتا ہوا پھرا کرتا ہوں۔

ست وتی۔ پر یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تمہارا اور ان کا نام یکساں ملگیا میرے شرن بھیّا بھکشو نہیں۔ راج پتر ہیں۔

بھکشو۔ خواب کے راج پتر کی نسبت بیداری کی حالت کا بھکشو اچھا۔ کیونکہ یہ تمہارا یہ بھائی سچّا ہے۔ اور وہ خواب کا بھائی جھوٹا ہے سنئی بہن۔ تم خواب کو چھوڑ کر ست کو گرہن کرو۔

ست وتی جادو سے موثر ہوئی حالت میں ہوگئی اس نے نحیف بھری آواز سے کہا اچھّا۔

راج کے خزانچی لالہ کشن پرشاد نے دل ہی دل میں سوچا کہ راجکماری مندرا کے اس عجیب حکم کا کچھ نہ کچھ گہرا منشاء ضرور ہے۔ ایک خوبصورت جوان شخص کو ست وتی کے مانند خوبصورت عورت کے گھر قید کرنیکے بُرے انصاف کو لالہ صاحب اُسی وقت سمجھ گئے۔ لالہ صاحب ذات کے کھتری ہیں۔ قدیم زمانہ میں بعض کھتری لڑائی کا کام چھوڑ کر لکھنے کا کام کرنے لگے تھے۔ کہتے ہیں کہ بعد میں انہی کے خاندان کا نام کائستھ مشہور ہوگیا۔ غرضیکہ یہ لالہ صاحب کائستھ ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت تیئس ۲۳ برس کے قریب ہے لیکن ابھی تک آپکی شادی نہیں ہوئی۔ آپ کالی کے پجاری ہیں۔ رنگ آپکا سیاہ ہے لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ سیاہ ہونے پر بھی میں

خوبصورت ہوں۔ بدن کی سجاوٹ پر اور پوشاک پر آپ کا بہت دھیان رہتا ہے خاموش ہنسی چوری کر کے سینہ زوری کرنا۔ باتوں میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دینا وغیرہ آپ کے ذاتی اوصاف ہیں۔ راج میں آپ ایک طاقتور بہادر سمجھے جاتے ہیں۔ اور دھن دولت بھی سب آپ کے قبضہ میں رہتی ہے اسی لئے لوگ آپ کو سپہ سالار اور وزیر کی نسبت بھی زیادہ مانتے ہیں۔ آپ راجکماری مندرا کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے۔ کیونکہ آپ کی طاقت عقل۔ چالاکی وغیرہ سب ہی اس کے آگے بیکار ہو جاتی ہے۔

لالہ کشن پرشاد ولیودت کے ہمسایہ ہیں۔ ست وتی کی عجیب وغریب خوبصورتی اور نیک چال چلن دیکھ کر آپ کا دل آپ کے ہاتھ میں نہیں رہا ہے لیکن جس کے خاندان اور شیل کا کچھ پتہ نہیں ایسی جوان لڑکی کے ساتھ شادی کرنا میری عزت کے برخلاف ہے۔ یہ سوچکر آپ نے آخر میں یہ مصمم ارادہ کیا ہے کہ کسی طرح سے ست وتی کو بھگا کر اس کے ساتھ گندھرو بیاہ کر لیا جاوے۔

لالہ صاحب نے بڑی مشکل سے ست وتی کے دل میں ایک موسم سرما کے بادل کے ٹکڑے کی پیدائش کر دی ہے۔ ست وتی سوچتی ہوگی کہ کشن پرشاد مجھے چاہتے ہیں۔ جب آپ نے اس کا یہ منشاء سمجھنے کی کوشش کی تب آپ کے دل پر ایک اُمید کی لکیر کھچ گئی۔ تھوڑے دنوں میں ہی لکیر ایک قسم کی ہل چل سے سارے دل میں پھیل گئی۔ اور پھر وہ اتنی زبردست ہوگئی کہ کچھ دن پہلے جب آپ نے ایک دفعہ ست وتی کو تنہا پایا تب

آپ اپنے بے غرض اور نا اُمید محبت کا ثبوت دیکر رونے لگے۔ بولے کہ اگر میری شادی تمہارے ساتھ نہ ہوگی تو میں اِس دُنیا کو چھوڑ کر کسی نامعلوم تیرتھ پر جا کر مر جاؤنگا۔ اور مر کر بھوت بن جاؤنگا۔ اِس بھوت کے خوف سے اور دیا سے مغلوب ہو کر اُس دن سَت وتی نے کہدیا۔ کہ اچھا آپ یہ بات میرے والد سے کہنا۔

لالہ صاحب اپنی منشا میں کامیاب ہونیکی اُمید سے آجکل خوب بنے ٹھنے رہتے تھے لیکن اِسی اثنا میں یہ جھگڑا کھڑا ہو گیا انہوں نے دیکھا کہ بھگت کے سامنے بودھ بھکشو اور پیچھے راجکماری منہ کھڑی ہے عقلمند کشن پرشاد نے ہر جگہ یہ مشہور کر دیا کہ بودھ بھکشو بڑا بھاری یوگی ہے۔ اسکے یوگ کی طاقت کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ بس پھر کیا تھا جھنڈ کی جھنڈ عورتیں اور مرد بودھ بھکشو کے گھر آنے لگے۔ اس کے علاوہ لالہ صاحب کبھی کبھی موقعہ پا کر خوبصورت لڑکیوں کو سادھنیوں کے بھیس میں اور کسبی رنڈیوں کو بھی گھرستی عورتوں کے لباس میں وہاں بھیجنے لگے۔ اس غرض سے کہ کسی طرح بھکشو کا دل خراب کر دوں۔ لیکن وہ سب ہی ناکام ہو کر واپس ہونے لگیں۔ اُس بودھ بھکشو کے ناقابل فتح دِل کے قلعے کا ایک ذرا سا حصّہ بھی نہ ہلا۔ لالہ جی کی جھوٹی بات سچ ہو گئی۔ اس کا بیچ۔ دیا مٹی چہرہ دیکھ کر اور۔ اِس کی محبت آمیز گفتگو سنکر سینکڑوں عورت مرد بدھ دھرم قبول کرنے لگے۔ یہ بات آہستہ آہستہ راجکماری کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ بدی زردستی کی شام کو اس نے سپہ سالار کو حکم دیا

کہ کشن پرشاد کو اسی وقت میرے سامنے لے آؤ۔
اسی وقت کشن پرشاد حاضر کیا گیا۔ سپہ سالار کو واپس جانیکا اشارہ کرکے راجکماری مندرا نے گرج کر کہا۔ کشن پرشاد سچ سچ کہو تمہارا کیا منشا ہے کشن پرشاد نے دست بستہ عرض کی۔ راجکماری آپ سب کی ماتا کے برابر ہیں۔ اور میں آپ کا بچہ ہوں۔ اس لئے میں آپ سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتا۔ ست وتی سے میری محبت ہے۔ میں اسے دل سے چاہتا ہوں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ نہ جانکر مجھ غریب کے رتن کو کسی مخفی ارادہ سے دوسرے کے ہاتھ دینے کا ارادہ کرلیا ہے۔
مندرا۔ پاپی تو بدچلن۔ چور ہے۔ تیرے منہ سے محبت اور پیار کی بات شوبھا نہیں دیتی۔
کشن پرشاد۔ داد سے ہیں نے آہستہ آہستہ اپنا چال چلن درست کرلیا ہے۔ اب میں ست وتی سے شادی کرکے کسی اور راج میں جاکر رہنے لگوں گا۔
مندرا۔ واہ تمہارے خیالات کیسے بے غرضانہ ہیں! ارے ناشکرے تو راج کے نمک سے پرورش پاکر اب کیا نمک حرام بننا چاہتا ہے۔
کشن۔ نمک حرام کیسا؟ میں نے ایسا کونسا کام کیا ہے؟
مندرا۔ تو بھکشو کو للچا کر بھرشٹ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس غرض سے نہایت ہی برے کام کراتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا ہے۔ کہ دیش میں بودھ دھرم پھیلتا جاتا ہے۔

کشن ۔میرے للچانے کا اس کے سوا اور کوئی منشا نہیں کہ بھکشو کا دِل ست وتی سے ہٹ کر کسی دوسری طرف لگ جائے۔ اور آپ جو بُدھ دھرم کے پرچار کے بارے میں فرماتی ہیں۔ سو بھکشو کو یہاں سے نکال دینے سے ہی تمام جھگڑا رفع ہو جائیگا۔ اس کے جاتے ہی بودھ دھرم کی جڑ اُکھڑ جائیگی راجکماری اب بھی وقت ہے۔ کچھ بندوبست فرمایئے ورنہ بھکشو ست وتی کو لیکر بھاگ جائیگا۔

مندرا۔ تو جھوٹ بکتا ہے۔

کشن ۔نہیں میں بالکل سچ کہتا ہوں۔

مندرا کی آواز لڑکھڑا گئی۔ اس سے پہلے انگ راج کی راجکماری کی سخت آواز کو کسی نے بھی لڑکھڑاتے ہوئے نہیں سُنا تھا۔

مندرا۔ کشن پرشاد کیا یہ بات سچ ہے۔

کشن ۔بالکل سچ ہے۔

ست وتی بھکشو کو اپنا دل سپرد کر رہی ہے۔

مندرا ۔اور بھکشو ؟

کشن ۔وہ تو کبھی کا سونپ چکا ہے۔

جس طرح ہوا کے تیز جھونکے سے درخت میں سن سن کرتی ہوئی آواز نکلنے لگتی ہے۔ اسی طرح کی دُکھ بھری آواز سے مندرا نے کہا۔ کیا سونپ چُکا ہے ؟

کشن ۔دل۔

مندرا۔ پاپی کیا تو جانتا ہے کہ دِل کس طرح سپرد کیا جاتا ہے ؟

کشن پرشاد نے دل ہی دل میں کہا۔ ہاں خوب جانتا ہوں۔ اب صرف کسی تجویز کی انتظار ہے۔ پھر تو کامیابی ہی سمجھئے۔ اس کے بعد اس نے مندرا سے ظاہرا طور پر کہا۔ راجکماری میری بات پر تب یقین کریں گی۔ جب آج یا کل آپ سنیں گی کہ بھکشو بھاگ گیا۔ اب اس خادم کے لئے کیا حکم ہے۔ ؟

مندرا۔ تم اسے روکنا اور دونوں کو باندھ کرلے آنا ضرورت ہو تو سپہ سالار کی بھی مدد لینے سے نہ چُوکنا۔ انگ راج سے ایک کماری کو لیکر

کشن۔ بھاگتا۔

مندرا۔ بڑا بھاری جُرم ہے۔ اس کو سخت سزا دینی چاہیئے۔

کشن پرشاد چلا گیا۔

آدھی رات کا وقت ہے۔ بھکشو دیودت کے گھر دھیان میں مصروف ہے۔ اسی اثناء میں ست وتی نے آہستہ سے آکر کواڑ کھولے۔ اور دُکھ بھری آواز سے کہا۔ شرن بھیا!

بھکشو نے آنکھیں کھولکر کہا۔ کیوں ستی ؟

ست وتی۔ شرن بھیا مجھے تم سے ایک بات کہنے کا موقعہ نہ ملا تھا آج کشن پرشاد مجھے تمہارے پاس سے چھین لے جائیگا۔

بھکشو (متعجب ہوکر) اس کا کیا مطلب۔ یہ میں جان گیا ہوں کہ کشن پرشاد بدچلن ہے۔ لیکن اُسے تمہیں چھین لے جانیکا کیا حق ہے۔

ست وتی کشن پرشاد میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن اُسکی خواہش پوری نہ ہوئی۔ اس لئے آج رات کو وہ مجھے زبردستی لے جائیگا۔ اس مصیبت سے بچنے کا اس کے سوا اور کوئی علاج نظر نہیں آتا۔ کہ اس دیش کو ہی چھوڑ دوں۔ بھیا اس دیش میں دھرم نہیں ہے۔ بس تو اب سنیاسن ہو جاؤنگی۔ اور بودھ بھگوان کی شرن لے کر گھر گھر بھیک مانگ کر اپنی زندگی بسر کروں گی۔

بھکشو نے اس کوٹھڑی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرف دیکھ کر ایک لمبی آہ بھری اور کہا اچھا۔ بھگوان کی اچھا پوری ہو۔ سنیاسن بہن تو اب تم تیار ہو جاؤ۔ یہ تو تمہیں معلوم ہے۔ کہ جنگل بڑا دشوار گزار ہے۔ کیا تم میرے ساتھ دوڑ سکو گی؟

ست وتی کے دل میں ایک نامعلوم طاقت کا ظہور ہو رہا تھا۔ اس نے خوشی اور جوش سے کہا جنگل کیا چیز ہے۔ میں ندی اور پہاڑوں کو بھی آسانی سے عبور کر جاؤں گی۔

سارا شہر گہری نیند میں سویا پڑا تھا۔ چاروں طرف سناٹے کا عالم تھا۔ راستوں پر ایک بھی آدمی دکھائی نہ دیتا تھا۔ بھکشو ستی کے ساتھ دیودت کے گھر سے چل دیا۔

رات ڈھل گئی تھی۔ راجکماری مندرا چمپا گڑھ کے شہر دروازہ کو پار کر کے ٹھیر گئی۔ وہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھی۔ اور ہاتھ میں تیر کمان لئے ہوئے تھی۔ اس نے کمار نانک سنگھ کو پکار کر کہا۔ کمار

آپ اننگ راج کے قدیمی دوست ہیں۔ اس وقت آپ کو میری ایک بات قبول کرنی ہوگی۔

کمار نائک سنگھ نے بخوشی تمام کہا آپ کا حکم بجالانے کیلئے تیار ہوں۔

مندرا۔ راجدھانی سے باہر جانیکے صرف دو ہی راستہ ہیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے بُودھ بھکشو کماری ست دیوی کو لیکر بھاگا ہے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کس راستہ سے لے گیا ہے لیکن انہی دو راستوں میں سے کسی ایک راستہ سے گیا ہے۔ ابھی گھڑی بھر پہلے ہی کشن پرشاد نے مجھے اس امر کی اطلاع دی ہے۔ اس لئے راج دھرم کے موافق ان دونوں کو روکنا ہمارا فرض ہے۔ ایک راستہ سے تو میں نے کشن پرشاد خزانچی اور رام نارائن سپہ سالار کو چار ہوشیار سپاہیوں کے ہمراہ بھیجدیا ہے۔ اب ایک راستہ اور باقی ہے۔ آپ کی بہادری کی میں نے بہت تعریف سنی ہے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ اس دوسرے راستہ سے آپ ہی جادیں اور بھکشو اور ست وتی کو قید کرلادیں۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوکر تنہا ہی چلے جائیے۔ ضرورت ہوگی تو میں بھی آپ کی مدد کروں گی۔

کمار نائک سنگھ نے ایڑ لگا کر اپنا گھوڑا چھوڑ دیا۔ مندرا کو گھبراہٹ ہوئی اور فکرمند دیکھ کر نائک سنگھ کے دل میں بار بار یہ سوال پیدا ہونے لگا۔ کہ بودھ بھکشو کے راستہ میں مندرا کیوں روکاوٹ ڈالتی ہے۔

کالی رات ہے۔ رات کی ہوا دور کے پہاڑوں کی قطار سے ٹکرا کر

بن میں پھیل رہی ہے۔ تارے چمک رہے ہیں۔ مشرق کی جانب بادلوں کے چند سفید ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر رہے ہیں۔

تقریباً ایک کوس چلکر ست وتی نے کہا۔ شرن بھیّا معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیچھے سے ہماری گرفتاری کے لئے سوار آ رہے ہیں۔

بھکشو نے ہنسکر کہا۔ ست وتّی میں اپنی زندگی میں ایسے بہت سے سوار دیکھ چکا ہوں۔ ان کا مجھے ذرا بھی خوف نہیں۔ خوف ہے۔ تو مجھے صرف تمہاری حفاظت کا ہے۔ اِس وقت صرف ایک ہی علاج ہے۔ کہ اِس اونچے پہاڑ کی بائیں طرف سے ایک دوسرا راستہ گیا ہے۔ تم اُسی راستہ سے بھاگو میں ان سب کو ہٹا کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔

ست وتی خوف کے سبب کچھ نہ بول سکی۔ اور تھبلاتے ہوئے راستہ سے بھاگی۔ تھوڑی ہی دیر میں چاروں سواروں نے اور سپہ سالار رام نارائن نے آکر بھکشو کو گھیر لیا۔ صرف کشن پرشاد گھوڑے پر چڑھے ہوئے ایک طرف کھڑے رہے۔

پانچوں سوار تلواریں کھینچکر بھکشو کو گرفتار کرنیکی کوشش کرنے لگے اُسی وقت کشن پرشاد نے چلّا کر کہا۔ اور ست وتی کہاں ہے؟ وہ ضرور کسی دوسرے راستہ سے بھاگ گئی ہے۔

کشن پرشاد کو اُسی راستہ سے جاتے دیکھ کر بھکشو نے گرج کر کہا خبردار بدمعاش کھڑا رہ۔ اپنے ہاتھ سے اپنی موت کو مت بُلا۔

اُسی وقت آن کی آن میں بھکشو نے لپک کر ایک بہادر کے

ہاتھ سے تلوار چھین لی اور پھر وہ لڑائی کے میدان میں ڈٹ گیا۔ اپنے عجیب ہٹ کنڈے اور بے حد طاقت سے اس نے چاروں بہادروں کو ذرا سی دیر میں شکست فاش دیدی۔ زمین پر پڑے ہوئے بہادروں میں سے رام نارائن سنگھ بھکشو کے سامنے بہت دیر تک ڈٹا رہا آخر میں اُس نے کہا۔ بھکشو تمہاری بہادری اور لڑائی میں عقلمندی عجیب ہے۔ بُودھ دھرم چھوڑ کر اگر تم کھشتری دھرم قبول کرتے۔ تو ضرور ہی کسی بڑے راج کے سنگھاسن کو حاصل کر سکتے۔

اس کے جواب میں بھکشو نے کہا۔ اے بہادر میں اس وقت تو دھرم کی حفاظت کے لئے ضرور ہی کھشتری ہوں لیکن کل پھر گلی گلی میں بھٹکنے والا بھکاری ہو جاؤں گا۔ اس وقت ڈاکوؤں کے ہاتھ سے اس بھکاری کو اپنی ایک اکیلی دولت۔

اسی وقت اندھیرے میں کسی عورت کی آواز سنائی دی بھکشو نے دیکھا کہ تھوڑی ہی دور پر راجکماری مندرا تیر کمان لئے کھڑی ہے۔

مندرا نے سخت آواز سے کہا۔ بھکشو اپنے دھن رتن کو بچانے سے پہلے تو میرے اس تیر سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر۔

مندرا کا نشان کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ اس کا تیر تیر بھکشو کے بائیں پاؤں کو چیرتا ہوا نکل گیا۔

اُس وقت آسمان گھرے بادلوں سے چھایا جاتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا خوب تیزی سے چل رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اندھیرا زیادہ ہونے

لگا۔ مندرا بھکشو کو نہ دیکھ سکی۔ وہ ایک دفعہ صرف یہی سن سکی کہ ست وتی تم بے عیب ہو۔ تمہارا بھلا ہو۔ بھکشو کی یہ آواز بڑی ہی پُر از رحم اور دردانگیز تھی اُسی وقت بجلی کی کڑک سے بن پہاڑ کانپ اُٹھے۔

مندرا نے اپنی تیرکمان کو پھینک دیا۔ وہ اس گھری تاریکی میں پاگلوں کی مانند پکارنے لگی۔ تم کہاں ہو بھکشو۔ تم کہاں ہو؟ لیکن بھکشو کا کہیں پتہ نشان نہ تھا۔ اُس زور کی ہوا سے تھرتھراتے ہوئے بن میں صرف یہی گونج کی آواز سنائی دی۔ بھکشو تم کہاں ہو؟

کمار نائک سنگھ آسمان کی حالت دیکھ کر گھوڑے سے اُتر پڑے اور ایک بڑے بھاری پتھر کے سہارے کھڑے ہو رہے۔ اس وقت ان کا دل غمگیں تھا۔ اسی اثنا میں بجلی چمکی۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ ست وتی ان کے قریب سے ہی ہو کر بھاگی جا رہی ہے۔ وہ اسے روک کر بولے۔ دیوی میں نے ایک بہادر خاندان میں جنم لیا ہے۔ اپنی زندگی میں مجھے بُرے دن اور بھلے دن لڑائی کا میدان اور رقص وسرود کی محفل سب ہی کچھ دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اس لئے کہتا ہوں کہ اس اندھیری رات میں یہ کانٹوں دار اور پتھریلا راستہ تم جیسی نازک عورتوں کے لئے گھر کا صحن نہیں ہے۔ تم بھاگنے کی کوشش مت کرو۔

کمار نائک سنگھ کو انگ دیش میں اکثر سب ہی جانتے تھے۔ ست وتی نے بھی انہیں پہچان لیا۔ اس لئے کھڑی ہو گئی۔ اور آب دیدہ ہو کر دست بستہ بولی۔ کمار میں بے کس ہوں۔ مجھے آپ بیشک قید کر لیں

لیکن بھکشوسُرن بھیّا کو چھوڑ دیں۔

کمار۔ انہیں چھوڑ دینے کا حق مندرا کو ہے۔ ہاں میں تمہیں ضرور ہی چھوڑ سکتا ہوں۔ چھوڑ دینے میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تمہیں بھاگنا نہیں آتا۔

پیچھے سے کسی نے کہا۔ نہیں۔ کبھی نہ چھوڑنا۔ اِس عورت سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔

لالہ کشن پرشاد نے لڑائی کے میدان میں اپنی بہادری کا جوش دکھانے کے لئے تھوڑی سی شراب بھی پی لی تھی۔ آپ کچھ پاس جاکر بولے ست وتی تمہارا توکر تمہارے سامنے موجود ہے۔

ست وتی نے ڈرتی ہوئی آواز سے کہا۔ کمار مجھے بچاؤ؟

تمہیں بچانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ یہ کہکر لالہ صاحب نے ست وتی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کمار نانک سنگھ نے سوچا۔ اِس وقت اِس کی لات مکّوں سے خبر لینا ہی زیادہ مفید ہوگا۔ اور بغیر کچھ کہنے سننے کے اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔

ست وتی کو چھوڑا کر کمار نے لالہ صاحب کی خوب خبر لی اور پھر انہیں ایک درخت سے انہیں کے دوپٹہ سے کس کر باندھ دیا۔

مندرا درخت کے پیچھے کھڑی ہوئی یہ سب باتیں دیکھ رہی تھی۔

اتنے میں تھوڑی ہی دور سے کسی کی آواز سنائی دی۔ ستی۔ ستی؟

ست وتی نے کمار کا ہاتھ پکڑ کر ڈرتے ہوئے کہا۔ کمار یہ میرے

شرن بھیا کی آواز آرہی ہے۔ تم انہیں کسی طرح بچالو۔
کمار نائک سنگھ نے کچھ آگے بڑھ کر سنجیدگی سے پکار کر کہا۔ تم کہاں ہو۔
بھکشو نے پوچھا تم کون ہو؟
کمار۔ اے بودھ بھکشو میں نائک سنگھ ہوں۔ تم کسی طرح کا خوف مت کرو۔ ست وتی خیر و عافیت سے ہے۔ اور لالہ کشن پرشاد درخت سے بندھے ہوئے ہیں۔
بھکشو قریب آگیا۔ نائک سنگھ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر بولا بھائی تمہیں یاد ہوگا کہ میرے والد مہاراجہ اجیت سنگھ نے پاٹلی پتر کی لڑائی میں تمہارے والد کی جان بچائی تھی۔ میرے پاؤں میں تیر لگ گیا ہے چلنے پھرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ اس لئے اب میں آہستہ آہستہ چلتا ہوں۔ اور مندرا پہاڑ کی گھنی جھاڑیوں میں جو ایک کٹیا ہے۔ وہاں جاکر آرام کروں گا۔ کمار نائک سنگھ! اس وقت تم نے جس عورت کے دھرم کی حفاظت کی ہے وہ ست وتی میری چھوٹی بہن ہے کمبھ کے میلے میں اُسے کوئی ڈاکو چرا لے گیا تھا۔ اتنے عرصہ کے بعد اس کا پتہ لگا ہے۔ اب تم ہوشیار رہنا متھلا کی راجکماری کو میں تمہارے پاس چھوڑ جاتا ہوں۔
بھکشو چلا گیا۔ ست وتی دوڑ کر پاس آگئی۔ اور پوچھنے لگی۔ کمار کیا ابھی تمہارے پاس میرے شرن بھیا تھے۔ ہائے وہ کہاں چلے گئے۔

نائک سنگھ نے کہا۔ کماری ست وتی جن بدھ بھگوان نے تمہارے بھائی کو پناہ دی ہے میں نے بھی اب انہیں کی شرن لے لی۔ تمہیں اب کوئی ڈر نہیں ہے۔ تم اس وقت اس پہاڑ کی گپھا میں بیٹھ جاؤ۔ میں ذرا اِدھر اُدھر چلکر دیکھتا ہوں کہ کیا حال ہے۔

موسلا دھار پانی برس رہا تھا۔ تاریکی اس قدر زیادہ تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ کمار نائک سنگھ نے بجلی کی چمک میں دیکھا کہ مندرا پاگلوں کی طرح چلی جا رہی ہے۔ اس کی آنکھیں اس سخت اندھیرے کو چیر کر بھکشو کے پیچھے جا رہی ہیں۔ نائک سنگھ کو دیکھ کر اس نے دریافت کیا۔ کمار بھکشو کہاں گیا۔

نائک سنگھ نے آہستہ سے کہا کیوں؟

مندرا۔ نائک سنگھ تم نے کبھی پیار کیا ہے؟

نائک سنگھ نے کچھ ہنسکر کہا میں سمجھتا ہوں کہ پیار ظاہر کرنیکی نہ تو یہ جگہ ہے اور نہ یہ وقت ہے۔ جس بات کو میں نے آج تقریباً سات سال سے اپنے دل میں چھپا رکھا ہے۔ اسے ناٹک کے اخیر سین میں ظاہر کرنا کہاں تک واجب یا غیر واجب۔

مندرا۔ کمار میں تمہارے پیار کے لائق نہیں ہوں۔ بھائی معاف کرنا۔ آج میرا زمو ہی پتھر کا دل چور چور ہو گیا ہے۔

مندرا اپنے آپ کو بھول گئی۔ اس نے اپنے سر کو کمار کے سینہ پر رکھدیا۔ اس کے تر بال اور پوشاک کو دیکھ کر نائک سنگھ کانپ

اُٹھے۔ اُنہوں نے بے چین ہو کر کہا کمار ی سندرا تم جلدی ہی راج محل کو لوٹ جاؤ۔

نہیں بھائی میری زندگی کا بھی آخری سین ہے۔ میں نے تمہیں اپنے تیر سے زخمی کیا ہے۔ اب انہیں قدموں کو تلاش کرونگی۔ میری دنیا و عاقبت ان ہی قدموں میں ہے۔ یہ کہتے کہتے مندرا رونے لگی۔

کمار نائک سنگھ نے آہستہ سے کہا۔ اچھا مندرا جاؤ تم انہیں مندار پہاڑ کی جنوبی کٹی میں پاؤگی۔

یہ سُنکر مندرا اس ٹیڑھے راستہ میں تیزی سے روانہ ہوئی۔

پانی برس رہا ہے۔ چودس کی پچھلی رات ہے۔ ست وتی جلدی پاؤں کمار کے پاس آکر بولی۔ کمار یہ ابھی تمہارے پاس سے کون گیا ہے؟ ست وتی ڈر سے کانپ رہی تھی۔ نائک سنگھ نے کہا۔ انگ راج کی شکتی مندرا۔

ست وتی۔ وہ کہاں گئی ہے؟

نائک۔ تمہارے سنترن بھیّا کے قدموں کی پناہ میں۔ دیکھو اوپر بُدھ شکتی ہے۔ اور نیچے زمین پر راج شکتی۔ یہ سب تمہارے بھائی کی ہی مہما ہے۔

ست وتی۔ کمار کیا تم مندرا کو پیار کرتے ہو؟

کمار۔ خیال ہے کہ کرتا ہوں لیکن کیا تم نے ہم دونوں کی گفتگو سُن لی ہے۔

ست وتی نے شرما کر کہا ہاں سُن لی ہے لیکن کیا اب تم گھبرا گئے؟
بھولی بھالی لڑکی کا یہ بچوں جیسا سوال سُن کر نانک سنگھ کی آنکھوں میں محبت کے آنسو بھر آئے۔ وہ بولے۔ کروں گا کچھ نہیں۔ سنیاس لے لوں گا۔

ست وتی۔ نہیں تم دنیا میں رہو۔ اگر کوئی تم کو پیار کرتا ہو؟
نانک سنگھ نے غرور کے ساتھ کہا۔ تو میں تمہاری صلاح ماننے کو تیار ہوں۔

آہستہ آہستہ بادل پھٹنے لگے۔ اور جہاں تہاں ہزاروں لاکھوں ستارے چمکنے لگے۔ پہاڑ کی ایک طرف بالکل تنہا بن میں ایک پرانی شکستہ کٹی ہے۔ بھکشو اسی کٹی میں پتوں کی سیج پر سو رہا ہے۔ وہ اپنے تیر سے زخمی پاؤں کو ایک پتھر کے اوپر رکھے ہوئے ہے۔ اور بائیں بازو کو تکیہ بنائے ہوئے سو رہا ہے۔ پاؤں سے ایک ایک بوند خون ٹپک کر پتوں کی سیج کو رنگ رہا ہے۔

ابھی صبح ہونے میں کچھ دیر ہے۔ بہت کچھ تلاش کرنے کے بعد مندرا نے کٹی کے دروازے پر آکر دیکھا کہ بھکشو نیند میں بے خبر پڑا ہے۔
مندرا اس کے قدموں کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ تیر گوشت کے اندر چلا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر اسے بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے دامن سے ایک قسم کے درخت کی پتی نکال کر ہتھیلی سے ملی اور اسے زخم پر لگا دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے خوبصورت بالوں کو تلوار کی

دھار سے کاٹ کاٹ کر اس پر لگانے لگی۔ اور آخر میں اس نے اپنے ریشمی اوڑھنے کو پھاڑ کر تلوے سے لیکر گھٹنے تک کے حصّہ کو خوب کس کر باندھ دیا۔ آج بھکشو کے قدموں کو چھو کر مندرا نے اپنے آپ کو بڑا ہی خوش نصیب سمجھا۔ اس وقت اس کی محبّت کا جوش بے بہا تھا۔ اپنے مانے ہوئے خاوند کے قدموں کا بوسہ لیکر وہ آنسو بہانے لگی۔ اسی اثنا میں بھکشو نے آنکھیں کھول کر دریافت کیا۔ تم کون ہو؟

مندرا۔ دیو میں آپ کے چرنوں کی داسی ہوں۔

بھکشو۔ (متعجب ہوکر) کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔

مندرا۔ ناتھ یہ خواب نہیں۔ ست ہے۔ تم میری زندگی کے دیوتا ہو۔ تمہارے چرن کو زخمی کرکے میں اپنے آپ کو قربان کر چکی ہے۔

مندرا کی یہ سب سے پہلی محبّت تھی۔ اس وقت اس کی آنکھیں زمین کی ہر ایک شئے کو محبّت اور دیا سے دیکھ رہی تھی۔

بھکشو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔ مندرا میں ایک معمولی آدمی ہوں دیو نہیں۔ میں منش ہوں لیکن سنیاسی ہوگیا ہوں۔ اس لئے دنیا میرے واسطے جنگل اور خالی ہے میرا راستہ علیحدہ۔ اور تمہارا علیحدہ۔ تم دنیا کے راستہ میں ہی رہو۔ اور اپنے عمدہ حسن سے دنیا کو منور کرو۔ کبھی موقعہ ہوگا۔ تو میں تمہارے حسن کو دیکھ جاؤنگا مندرا تمہارے دل میں جو لاتھا دیا پیدا ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ انگ راج میں سینکڑوں ہزاروں

دھاروں سے بہے۔ اور سب کے لئے باعث تسکین ہو۔

مندرا نے دست بستہ عرض کی۔ سے پران ناتھ! آپ دُنیا کو چھوڑ کر نہ جاویں۔ یاد کرلو۔ آپ وعدہ کی گرہ میں جکڑے گئے ہو۔

بھکشو۔ کونسا وعدہ مجھے تو یاد نہیں آتا۔

مندرا۔ دیو اُس دن آپ نے منظور فرمایا تھا۔ کہ میں اپنے آپکو قربان کر کے انگ راج میں دیا کا پرچار کرونگا۔ اسلئے آپ اُسی سچائی کی قید میں بندھے رہو۔ بھکشو مہاشئے۔ دُنیا میں ہی رہو۔ اسے مت چھوڑو۔ آپکو دیکھکر میں سیکھونگی۔ اور اپنے دل کے مندر میں جگہ دیکر آپکی ہی پرستش کرونگی۔ مجھے اب اپنے دھرم کی دیکھشا دیدو۔ بھکشو راج معلوم ہوتا ہے کہ بودھ دھرم بہت ہی اچھا دھرم ہے۔

بھکشو۔ کماری کیا تم مجھے دنیا میں رکھنے کے لئے تیار ہو؟

مندرا۔ سب طرح سے۔ بھکشو مہاشئے۔ اب میرے دل کو پاش پاش کر کے مت جاؤ۔ میں اپنی جان کو تم پر قربان کرچکی ہوں۔

اُس دلفریب چہرہ سے دُکھ بھرا کلام سُنکر بھکشو اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے قدموں میں پڑی ہوئی اس راجکماری کو وہ اپنے طاقتور بازو سے اُٹھا کر کشتی کے باہر لے آیا۔

مشرق کی جانب سے شفق کی کرنیں ان دونوں کے چہروں پر پڑکر ایک عجیب قسم کی زیبا کرنے لگیں۔

بودھ بھکشو نے مندرا کے بے عیب اور پاک چہرہ پر اپنی دونو آنکھیں

قایم کر کے کہا۔ اے محبّت کی دیوی تم اسقدر بیقرار کیوں ہو رہی ہو؟ جب مہادیو جیسے تپسوی بھی اس مایا کے مان کی رکھشا کرنے میں گرہستی ہو گئے ہیں۔ تب میں تو کس کھیت کی مولی ہوں۔ کماری میں ہندو کھشتری ہوں تنتر کا دوش اور جیو ہنسیا دُور کرنے کے لئے بودھ دھرم نے جنم لیا ہے لیکن بُودھ ہندو دھرم سے جُدا نہیں ہوں۔ اس لئے میں بُودھ ہو کر بھی ہندو ہوں۔ پیاری تمہاری شادی کی خواہش سے میں نے آج تقریباً ایک سال سے متھلا کا سنگھاسن چھوڑ دیا ہے۔ بھکشو بھیس میں اپنے کو چھپائے ہوئے یہ شرن سنگھ جنگل اور پہاڑوں میں آوارہ گرد بن کر دیوانوں میں گھوم کر جس رتن کو میں تلاش کر رہا تھا۔ وہ آج مجھے مل گیا۔

مندرا کا دل اُچھلنے لگا۔ اس وقت اس کے ہر رگ و ریشہ میں خوشی موجزن تھی۔ اس نے اپنی محبّت بھری آنکھوں کو شرن کی طرف لگا کر ہنسی سے کہا۔ میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم کوئی فریبی تپسوی ہو۔

شرن سنگھ۔ اور اسی لئے تم نے یہ تیر سے زخمی کر کے شادی کرنے کی عجیب حکمت سوچ رکھی تھی۔

مندرا کو اس کا کوئی جواب نہ سوجھا شرمندہ ہو کر وہ وہاں سے اُسی وقت بھاگ گئی ؛

ادائیگی قرض

بدقسمتی سے کملا پرشاد کو ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ وہ کسی غریب آدمی کا لڑکا نہ تھا۔ اس کا والد اتنی جائداد چھوڑ گیا تھا کہ اگر وہ ملازمت نہ کرتا۔ تب بھی خوشی سے اوقات بسری کر سکتا۔ لیکن والد کے انتقال کے بعد ہی تمام جائداد اس کے بڑے بھائی بہاری لعل کے قبضہ میں آگئی اس وقت کملا پرشاد صغیر سن تھا۔ بہاری لعل نے جائداد پاتے ہی اسے تھوڑے ہی عرصہ میں تلف کر دیا۔ اس کے بُرے چال چلن کا اور بد صحبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھر کی ساری جائداد بک گئی اور آخر میں رہنے کا مکان بھی اس نے گروی رکھدیا۔ اس پر بھی اُسے ہوش نہ آیا۔ اپنی مراد اور شوق پورا کرنے کیلئے وہ چوری کرنے لگا۔ اور ایک مرتبہ گرفتار ہو کر اسے جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی جیل سے رہا ہوتے ہی نہ معلوم وہ کہاں چلا گیا کسی کو اس

کا پتہ نہ لگا۔ گاؤں کے سب آدمی اس سے بیفکر ہو گئے۔ اُن کے سر سے گویا ایک بلا ٹل گئی۔ لیکن اسکی والدہ کو اس کے جانے سے جو سخت رنج ہوا اُسے وہی جانتی تھی۔ وہ رات دن بہاری کے لئے رونے لگی۔

اسوقت گھر کا سارا بوجھ کملا پرشاد پر آپڑا۔ کملا پرشاد ابھی لڑکا تھا وہ گھر کے کاروبار سے بالکل ناواقف تھا۔ دونوں وقت دو لقمے کھانے تو درکنار اُسے اپنا سر رکھنے تک کو بھی کہیں جگہ نہیں تھی۔ اس لئے اسے ملازمت کے لئے کوشش کرنی پڑی۔ بڑی مشکل سے اُسے ایک دُور گاؤں میں ملازمت ملی۔ وہ اپنی والدہ اور بہن کو چھوڑ کر اپنی نوکری پر چلا گیا۔ جاتے وقت اس کی والدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ بیٹا بڑے بھائی کا خیال بھی رکھنا۔ ہائے میرا پیارا بیٹا کہاں گیا۔ ایسے کہتے کہتے وہ زار زار رونے لگی۔ کملا پرشاد نے والدہ کو تسلی دیکر کہا۔ اے ماں فکر نہ کرو۔ میں بھائی کا پتہ ضرور لگاؤنگا۔ اور اُسے بہت جلدی تمہارے سامنے لاکر حاضر کر دُوں گا۔

کملا پرشاد اپنی والدہ سے یہ بات کہہ تو آیا لیکن بھائی کا پتہ لگانا اسکے لئے بالکل ناممکن تھا۔ وہ تمام دن کام کاج میں مصروف رہتا تھا۔ پھر تلاش کرے تو کب۔ رہ رہ کر بیچ بیچ میں اس کا دل اپنی والدہ کے رنج سے گھبرا اُٹھتا تھا۔ لیکن وہ کیا کرے لاچار تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر کوئی دن ایسا آوے کہ دوسرے کی نوکری نہ کرنی پڑے تو ضرور بھائی کو تلاش کرکے اپنی والدہ کا رنج رفع کر سکوں گا۔ ورنہ

اس جنم میں تو کچھ اُمید نہیں ہے۔

کملا پرشاد کا مالک اس کو دل سے چاہتا تھا۔ ایک بڑے خاندان کا لڑکا مصیبت زدہ نوکری کے لئے آیا ہے۔ ایسا خیال کر کے اس کے دل میں ہمدردی پیدا ہوتی تھی۔ اور وہ ہر طرح سے کملا پرشاد کی بھلائی کیلئے کوشش کیا کرتا تھا۔ موقعہ موقعہ کملا پرشاد جب دوسرا کام کرتا تھا۔ اس کے عوض وہ اُسے علیحدہ اُجرت دیتا تھا۔ اس کے علاوہ مالک کے ہاں جو تہوار وغیرہ ہوتے تھے۔ ان میں بھی اور ملازموں کی نسبت کملا پرشاد کو زیادہ انعام مل جاتا تھا۔ اس طرح کچھ دیگر آمدنی ہو جانے کے باعث وہ اپنی والدہ اور بہن کے کھانے اور پینے کا خرچ نکال کر بھی تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کرنے لگا۔

کملا پرشاد نے حساب لگا کر دیکھا کہ ہزار روپیہ میں اس کی رہن کی ہوئی زمین اور مکان فک الرہن ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہونے پر پھر اُسے ملازمت کی ضرورت نہ رہیگی۔ اپنی زمین کی فصل کی آمدنی سے ہی اس کی بسر اوقات بخوبی ہونے لگے گی اور اُس وقت بے فکر ہو کر وہ اپنے بھائی کا پتہ بھی لگا سکیگا۔ بس اگر اس نے اپنی زمین گھر اور بھائی کو حاصل کر لیا۔ تو پھر اور کیا چاہئے۔ اس کی ساری خواہشات پوری ہو جائیں گی۔

یہ ہزار روپے کیسے اور کس قدر عرصہ میں جمع ہونگے۔ رات دن وہ یہی سوچتا رہتا تھا۔ آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ اس لئے

تھوڑا تھوڑا کرکے ہی بہت عرصہ تک جمع کرنا پڑے گا۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس کو ناممکن سمجھ کر چھوڑ دیتا۔ وہ کہتا کہ کہیں قطرہ قطرہ پانی سے سمندر بھر سکتا ہے لیکن کملا پرشاد تحمل سے اس ناممکن بات کو بھی ممکن بنانیکے لئے آمادہ تھا۔ اسکے بغیر اس کا چھٹکارا نہ تھا۔

بہت عرصہ تک انتظار دیکھتے دیکھتے آخر کار وہ مبارک دن آگیا اس ماہ کی تنخواہ ملتے ہی اس کے ہزار روپے پورے ہو جائینگے۔ رفتہ رفتہ وہ مہینہ بھی ختم ہو گیا۔ آج کملا پرشاد کی خوشی کی حد نہ رہی اب اس کی زندگی کی ساری خواہشیں حاصل ہوا چاہتی ہیں۔

کملا پرشاد کے جمع شدہ روپے اسکے مالک کے پاس رہتے تھے جس دن ایک ہزار روپے پورے ہوگئے۔ اسی دن وہ اپنے مالک کے پاس رخصت ہونے کیلئے گیا۔ وہ اسکی ساری باتیں سنکر خوش ہوا کملا پرشاد کی ملازمت کا عرصہ ختم ہو گیا۔ یہ جانکر اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

کملا پرشاد اب زیادہ دیر نہیں کر سکتا۔ اس قدر عرصہ تک دھیرج رکھ کر بھی اب اس کا دل ذرا بھی دھیرج نہیں رکھ سکتا۔ اسی وقت وہ روپے لیکر اپنے گاؤں کو واپس جانا چاہتا ہے۔ اس کے مالک نے کہا اچھا تم جانا چاہتے ہو۔ تو جاؤ لیکن اس قدر روپے اکیلے ہمراہ نہ لے جاؤ کیونکہ راستہ اچھا نہیں ہے۔ چور ڈاکوؤں کا ڈر ہے۔ اس وقت کچھ روپے ساتھ لے جاؤ۔ اور پھر اسی طرح تھوڑے تھوڑے کرکے سارے روپے لے جانا۔

کملا پرشاد اب ٹھیر نہیں سکتا۔ اس وقت تک کیا وہ کھوڑا ٹھیرا رہا ہے؟ اور اب پھر بھی ٹھیرتا؟ اب بھی دیر۔ اب ایسا نہیں ہوسکتا اس نے کہا معاف کیجئے۔ کچھ ڈر نہیں۔ میں بہت ہوشیاری کے ساتھ روپیے لے جاؤنگا۔ مالک نے ایک مرتبہ پھر بھی سمجھانے کی کوشش کی۔ کملا پرشاد نے اپنے مالک کی بات پہلے کبھی نہیں ٹالی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں میرے ہی فائدہ کیلئے کہتے ہیں لیکن پھر بھی وہ آج اپنے دل کی بیقراری کو زیر نہ کرسکا۔

مالک نے اُس کے سارے روپیے لاکر اس کے سپرد کردیئے۔ روپیوں کو ہاتھ میں لیتے ہی ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ اس کے قدیمی رشتہ دار ہیں۔ وہ سب کے سب اس کے دل میں بسے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہی وہ انہیں پہچان سکتا ہے کس روپیہ میں کس جگہ داغ ہے۔ کون کس جگہ سے گھسا ہوا ہے۔ کون چمکتا ہے اور کون میلا ہے وہ سب جانتا ہے یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ کون سے روپے اسے اپنے مالک کی دختر کی شادی کے وقت انعام میں ملے تھے اور کون سے لڑکے کی پیدائش کیوقت۔ بہت عرصہ بعد پیارے رشتہ دار کے ملنے سے جیسی خوشی ہوتی ہے روپیوں کو دیکھکر کملا پرشاد کو آج ویسی ہی خوشی ہونے لگی۔

ان روپیوں کو خوب ہوشیاری سے باندھ کر اس نے اسی رات اپنے گھر کی راہ لی۔ سویرے تک ٹھیرنا اس کیلئے دوبھر ہوگیا۔ جاتے وقت اس کے مالک نے کہا۔ تم اپنے ہمراہ ایک ہتھیار لیتے جاؤ۔

معلوم کب کونسی آفت آجائے۔ ایسا کہکر اس نے ایک عمدہ تلوار نکال کر اس کی کمر سے باندھ دی۔

کملا پرشاد گھر سے باہر ہوا۔ گاؤں کے درمیان سے جاتے جاتے اسکے تمام معلومہ مقامات مثلاً شہر کی عمارات۔ گھاٹ راستہ وغیرہ اس سے یکے بعد دیگرے جدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور گویا وہ سب ہی سے دل ہی دل میں کہتا جاتا تھا۔ اچھا بھائی! اب میں جاتا ہوں۔ اب میں جاتا ہوں۔

کملا پرشاد جا رہا ہے۔ اس وقت وہ خوش نہیں ہے۔ اسے بار بار رونا آتا ہے۔ رہ رہ کر ایک تکلیف اس کے دل کو پریشان کر رہی ہے۔ کہ میں گھر جا کر اپنی والدہ سے کیا کہونگا۔ وہ کچھ روپیہ کی انتظار میں تو نہیں بیٹھی ہو گی۔ میں آتے وقت بھائی کو تلاش کر کے گھر لانے کی تسلی دے آیا تھا۔ والدہ اسی بھروسہ پر انتظار کر رہی ہو گی۔ کچھ دور چلکر اس نے اپنے دل میں خیال کیا۔ خیر جہاں اس قدر عرصہ اس نے انتظار کی ہے۔ دو دن اور سہی۔ دلیس میں پہنچتے ہی بھائی کو تلاش کرنے کی ضرور ہی کوشش کرونگا۔

گاؤں پیچھے رہ گیا آگے ایک بڑا خوفناک جنگل ہے۔ جنگل کے بیچوں بیچ ایک راستہ ہے۔ وہ اس راستہ سے جاتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے رات زیادہ ہو گئی۔ اندھیرا رفتہ رفتہ بڑھنے لگا۔ کہیں بھی روشنی کا نشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ درخت گویا نیچے سے اوپر تک تاریکی کے گڑھے میں ڈوب گئے ہیں۔ اپنا جسم بھی آپ کو دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن

کملا پرشاد کے دل میں اِس قدر جلدی ہے کہ کوئی بھی تکلیف اِس کے حوصلہ کو نہیں گرا سکتی وہ اس تاریکی سے گذرتا ہوا برابر چلا جا رہا ہے۔

اُس گہرے اندھیرے میں چلتے چلتے وہ کسی وقت راستہ بھول گیا اس کی اُسے کچھ بھی خبر نہ تھی۔ آخر میں جب درخت کی ڈالیوں نے اس کے جسم میں لگ کر اس کی رفتار کو روک دیا۔ تب وہ بھوچکا سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور راستہ کی تلاش کے لئے چاروں طرف بھٹکنے لگا لیکن راستہ نہ ملا۔ وہ تلاش کرتے کرتے تھک گیا۔ اور اِدھر اُدھر پھرتے رہنے سے رفتہ رفتہ وہ یہ بھی بھول گیا۔ کہ میں کس طرف سے آیا تھا۔ اور کہاں جاؤں گا کبھی کوئی ایک راستہ دکھائی پڑتا ہے اور اس پر چلتا ہے کہ پھر جنگل میں جا پہنچتا ہے۔ اِس طرح بھٹکتے بھٹکتے اُسے اچانک کسی آدمی کے آنے کی آہٹ سُنائی دی گویا اس تاریکی کو چیرتا ہوا کوئی اسی کی جانب چلا آرہا ہے۔ پاس آتے ہی کملا پرشاد نے دیکھا۔ کہ ایک جنگلی شکاری ہے۔

اسے دیکھ کر کملا پرشاد کی جان میں جان آگئی۔ اس نے جلدی سے پوچھا۔ بھائی! کیا تم مجھے راستہ بتا سکتے ہو؟

شکاری نے اسے نیچے سے اوپر تک تیز نگاہ سے دیکھ کر پوچھا۔ تمہیں کہاں جانا ہے؟

کملا پرشاد نے اپنے گاؤں کا نام بتا دیا۔

شکاری اس کو تھوڑی دور ساتھ لئے ہوئے ایک راستہ پر

آپہنچا۔ اور پھر بولا۔ اسی سامنے کے راستے سے برابر شمال کی طرف چلے جاؤ۔

کملا پرشاد اُسی راستہ سے چلنے لگا۔ آہستہ آہستہ تکان کے باعث اس کا جسم ڈھیلا ہونے لگا۔ پاؤں نے جواب دیدیا۔ اسی اثناء میں اسے تھوڑی دور پر ایک پھوس کا گھر نظر آیا۔ اس میں سے ایک دھیمی روشنی کی لائن باہر کی سخت تاریکی پہ پڑ رہی ہے۔ کملا پرشاد اُسی جھونپڑی کی طرف آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ دیکھا۔ اس میں ایک عورت بیٹھی کپڑے سی رہی ہے۔ اتنی رات ہونے پر بھی نیند کا اسے بالکل خیال نہیں۔ وہ دل وجان سے کام رہی ہے۔ کملا پرشاد نے اس سے کہا۔ میں تھکا ہوا مسافر ہوں۔ آج رات کیلئے کیا مجھے یہاں جگہ مل سکتی ہے؟

عورت کچھ دیر تک اس کی جانب دیکھتی رہی۔ پھر بڑے تعجب سے بولی۔ اتنی رات گئے تم اس راستہ سے کیسے آئے؟

کملا پرشاد۔ میں جنگل میں راستہ بھول گیا تھا۔ قسمت سے ایک شکاری نے مجھے یہ راستہ بتادیا ہے۔ یہ کہکر وہ بیٹھ گیا اور کھڑا نہ رہ سکا۔

کچھ دیر تک وہ عورت خاموش نہ معلوم کیا سوچتی رہی کچھ اِدھر اُدھر کرنے لگی۔ اور آخر میں وہ اِدھر اُدھر چاروں طرف دیکھ کر دبی زبان سے بولی معلوم ہے۔ کہ تم کہاں آگئے ہو؟

کملا پرشاد (عورت کے چہرے کی طرف دیکھکر) نہیں تو۔ یہ کونسی جگہ ہے ؟

عورت۔ یہ ڈاکو کا گھر ہے۔ جس شکاری نے تمہیں راستہ بتایا ہے۔ وہ ڈاکو ہے۔ اور یہ اُسی کا گھر ہے۔

کملا پرشاد۔ (گھبرا کر) تو اب میں کیا علاج کروں ؟

عورت۔ علاج تو کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہوگا۔

اس نے یہ کہا ہی تھا کہ باہر سے کسی کے آنیکی آہٹ سُنائی دی عورت نے گھبراہٹ کے ساتھ مسافر سے کہا۔ اُٹھو۔ اُٹھو۔ دیر نہ کرو اور اسے جلدی ایک اندھیری جگہ میں چھُپا دیا۔

شکاری نے گھر میں قدم رکھتے ہی عورت سے دریافت کیا۔ شکار کہاں ہے ؟

عورت نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ صرف حیرت کی نگاہ سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ شکاری نے گرج کر کہا۔ شکار کہاں گیا ؟

عورت۔ جیسے کچھ بھی نہ معلوم ہو۔ ایسی حالت ظاہر کر کے بولی۔ شکار !

شکاری۔ ہاں۔ ہاں۔ شکار۔

عورت۔ تعجب سے۔ کونسا شکار ؟

شکاری بیقرار ہوکر۔ میں نے برابر اُسے اسی راستہ آتے دیکھا ہے۔ راستہ میں بھی نہیں۔ گھر میں بھی نہیں۔ تو کیا وہ اُڑ گیا؟

عورت۔ کیا معلوم؟

شکاری غصہ سے دیوانہ ہوکر بولا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیری ہی کرامات ہے۔ ابھی تک تیری یہ بیماری دُور نہیں ہوئی۔ بول کہاں چھپا دیا ہے۔ یہ کہکر اُس نے زور سے ایک لات ماری عورت زمین پر گر پڑی۔ تب بھی اس نے کچھ نہ کہا۔

عورت کو خاموش دیکھ کر اس کا غصہ بڑھنے لگا۔ پیٹتے پیٹتے اس نے اسے ادھموئی کر ڈالی۔ تب بھی اس نے زبان سے اُف تک نہ کی۔ پڑی ہوئی مار کھاتی رہی۔

اب کملا پرشاد سے نہ رہا گیا۔ اس نے سوچا۔ کہ اب چھپے رہنے سے کام نہیں چلتا۔ میرے لئے یہ بیچاری ناحق ستائی جارہی ہے وہ فوراً باہر آکر بولا۔ اس بیچاری کو تم ناحق کیوں مارتے ہو۔ لو میں حاضر ہوں۔

اب عورت کو چھوڑ کر وہ شیر کی طرح کملا پرشاد پر ٹوٹ پڑا کملا پرشاد اس وقت بھی اس قدر تھکا ہوا تھا۔ کہ وہ اچھی طرح کھڑا بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اسلئے وہ کچھ بھی نہ کرسکا۔ ڈاکو نے اس کا سارا روپیہ آسانی سے چھین لیا۔ اور اسے ایک پھٹا پرانا کپڑا پہنا کر باہر نکال دیا۔ کملا پرشاد نے ذرا بھی چون وچرا نہیں کی۔ اس لئے

ڈاکو کو اسے جان سے مار ڈالنے کی کوئی ضرورت ظاہر نہ ہوئی۔ کملا پرشاد بے مدد اور بے سرمایہ ہوکر راستہ میں کھڑا تھا۔ ڈاکو نے اس کی تلوار تک چھین لی ہے۔ راستہ میں جنگلی جانوروں کا خوف تھا۔ اس لئے کملا پرشاد نے گھبرا کر کہا۔ میرا تم سب کچھ لے چکے ہو۔ لیکن میری تلوار تو مت لو۔ ورنہ اس خوفناک جنگل میں جنگلی جانور مجھے مار ڈالیں گے۔

ڈاکو کو کچھ رحم آگیا۔ تلوار لیکر وہ کملا پرشاد کو دینے لگا۔ اندھیرے میں تلوار چمکنے لگی۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا۔ اوہ! یہ تو بالکل نئی نظر آتی ہے! اچھا ٹھیرو میں تمھیں ایک دوسری تلوار لا دیتا ہوں۔ یہ کہکر اس نے گھر میں سے ایک پرانی تلوار لاکر کملا پرشاد کو دے دی۔

دوسرے دن سویرے کملا پرشاد غمگین اور شک رو ہوکر اپنے مالک کے دروازہ پر جا کھڑا ہوا۔ شرم کے باعث مکان کے اندر نہ جاتا تھا۔ بہت عرصہ تک سخت محنت سے حاصل کئے ہوئے روپیوں کے ضائع ہو جانے سے اگرچہ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ لیکن مالک کا حکم نہ ماننے سے میری یہ بری حالت ہوئی ہے۔ یہ بات اس کے دل میں اس سے بھی زیادہ تکلیف دے رہی تھی۔ اپنا منہ دکھا نے میں اُسے بہت شرم معلوم ہوتی تھی کچھ عرصہ بعد مالک مکان کے باہر آیا۔ اس نے دیکھا کہ غمگین

اور نیچا سر کئے ہوئے کملا پرشاد کھڑا ہے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی اسے ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ میں کسی جادوگر کا تماشا دیکھ رہا ہوں۔ یہ کیا وہی کملا پرشاد ہے۔ جو کل رات کو رخصت ہو کر گھر گیا تھا؟ کملا پرشاد کی حالت دیکھ کر اُسے بہت دکھ ہوا۔ وہ جلدی سے ہاتھ پکڑ کر اسے گھر کے اندر لے گیا۔ کملا پرشاد نے رات کی تمام سرگذشت کہہ سنائی۔ مالک نے اُسے چپ چاپ سن لیا۔ اس کی ذرا بھی بے قدری نہیں کی۔ کملا پرشاد جس طرح گذشتہ رات کو کام کرتے کرتے چلا گیا تھا۔ آج سویرے وہی کام پھر کرنے لگا۔ درمیانی رات کی کارروائی گویا اس کیلئے مثل خواب ہو گئی۔

ڈاکو نے جو پرانی تلوار دی تھی۔ اسے کملا پرشاد نے اپنے خوابگاہ کے کمرے کی ایک دیوار پر لٹکا دیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اُس رات کی تمام سرگذشت اسکی آنکھوں کے سامنے ظاہر اشکل میں پھر جاتی تھی۔ دن بھر کام کرنے کے بعد رات کو جب وہ گھر آتا تھا۔ تب روپیوں کا رنج از سر نو تازہ ہو کر اسے تکلیف دینے لگتا تھا اور کم ہمتی اسکے دل کو بالکل توڑ دیتی تھی۔ وہ سوچتا تھا کیا اب رہن شدہ زمین فک الرہن ہو سکتی ہے اور کیا اب بھائی کو تلاش کر کے میں والدہ کے رنج کو رفع کر سکوں گا۔ اسکی ساری اُمیدیں سارے بھروسے خاک میں مل گئے۔ اس رات کی سرگذشت کو بھولنے کی اگرچہ وہ بہت کوشش کرتا تھا۔ لیکن وہ تلوار اس حادثہ کو ہر روز تازہ کر دیتی تھی جس وقت اس ڈاکو کے

گھر کی عورت کا قصہ اسے یاد آتا تھا۔ اُس وقت اُس کا دل شکر گذاری سے بھر جاتا تھا میری حفاظت کرنیکے لئے اس نے کس قدر تکلیف سہی۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا تھا۔ کہ اس کے قرضہ کو کیا اب میں اِس جنم میں کبھی ادا کر سکوں گا؟

آخر میں اُسے اِس تلوار کا اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا ناقابل برداشت ہو گیا۔ پہلے وہ نہیں خیال کر سکا۔ کہ میں اِس سے کیا کام لوں لیکن بعد میں اس نے اُسے پُرانی چیزوں کی دوکان پر فروخت کرنیکا مصمّم ارادہ کیا۔ گاؤں میں تھوڑی دُور پر پُرانی اشیاء کی ایک دُوکان تھی ایک دن وہ اس تلوار کو لیکر وہاں گیا۔ دوکاندار بوڑھا تھا۔ اس کی بینائی میں فرق آگیا تھا۔ وہ اس تلوار کو آنکھوں کے بالکل قریب لے جا کر غور سے دیکھنے لگا دیکھتے دیکھتے جب اسکی نظر ایک مقام پر پڑی۔ تب وہ چونک پڑا۔ اور بولا۔ یہ چیز تو بہت قیمتی ہے۔

کملا پرشاد خاموش ہو رہا۔ دوکاندار نے پھر کہا۔ اس پر بادشاہ کی مُہر ہے یہ قیمتی تلوار ہے۔

کملا پرشاد نے پوچھا۔ کس قیمت کی ہے؟

ڈیڑھ ہزار کی۔

ڈیڑھ ہزار! کملا پرشاد چونک پڑا۔ اگر ایسا ہے تو اس سے تو اس کے سارے دُکھ دُور ہو سکتے ہیں۔

ڈیڑھ ہزار روپیہ لیکر کملا پرشاد کے دل میں مختلف طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ وہ دل ہی دل میں سوچا کرتا تھا۔ کہ وقت

آنے پر ڈاکو کی عورت کا قرضہ ادا کرونگا۔ اُسوقت وہ کہنے لگا کہ یہی تو وقت ہے۔ مجھے تو ایک ہزار روپے سے غرض ہے۔ باقی پانسو روپیہ سے تو آسانی سے اس قرضہ سے سبکدوش ہوسکتا ہوں۔ اور ان پانسو روپیوں کو پاکر وہ بھی اس ڈاکو کے ہاتھ سے ہمیشہ کیلئے رہا ہوسکتی ہے وہ ضرور ہی اس کی زرخرید غلام ہے۔ اِن باتوں کو وہ جس قدر سوچنے لگا۔ اس کے قرضہ کی ادائیگی کی خواہش اس قدر زبردست ہوتی گئی یہ بات بار بار اس کے دل میں آنے لگی۔ کہ اگر میں ایسا نہ کرونگا یعنی اس قرضہ کو ادا نہ کرونگا۔ تو میرے پاپ کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

مالک کے پاس ایک ہزار روپیہ رکھ کر وہ پھر چلدیا۔ اس نے اپنے پاس صرف پانسو روپے رکھے۔ اس نے یہ ارادہ کیا تھا۔ کہ یہ روپیہ اس عورت کو دیکر گھر کا راستہ لونگا۔ اور راستہ میں جو گاؤں ملینگے اُن میں بھائی کی تلاش بھی کرتا جاؤنگا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ بھائی بہن کسی گاؤں میں خفیہ طور سے رہتے ہیں۔ اور شرم کے باعث اپنے گاؤں کو واپس نہیں جا سکتے۔ کملا پرشاد دیکھتا ہے۔ کہ میرے بُرے دن پھر گئے اور اچھے دن آرہے ہیں۔ صرف ایک تکلیف ہے اگر بھائی کو ساتھ نہ لے جاکر میں اپنی والدہ کے پاس پہنچا۔ تو ان سے کیا کہوں گا۔

اس مرتبہ وہ ایسے وقت روانہ ہوا تھا۔ کہ جس سے سورج غروب ہونے سے پہلے ہی اس جنگل سے پار ہو جائے لیکن جس وقت وہ ڈاکو کے گھر پہنچا۔ اُس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ گھن دار درختوں کے

درمیان سے اس کی سنہری شعاعیں آ رہی تھیں۔ پرندے اپنے اپنے گھونسلوں کو واپس جا رہے تھے ہمارا جنگل سورج کی دھیمی روشنی اور پرندوں کی شیریں آواز سے خوشنما معلوم ہوتا تھا۔

کملا پرشاد اُس ڈاکو کے گھر پہنچا۔ وہ اُس کی عورت کو پوشیدہ طور پر روپیہ دینا چاہتا تھا کیونکہ اگر ڈاکو کو معلوم ہو جائیگا۔ تو وہ ضرور اس سے روپیہ چھین لیگا۔ ایسا خیال کر کے وہ بلا کچھ کہے سُنے ایک طرف کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔ دن کی روشنی اب رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ اور سایہ کی مانند اندھیرا رفتہ رفتہ اس گھر پر چھانے لگا۔ پرندوں کا شور وغل جاتا رہا۔ چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ اسی اثناء میں اس گھر کے اندر ایک چراغ کی روشنی نظر آئی۔ زیادہ دیر کرنیکی ضرورت نہ سمجھ کر وہ جلدی اس گھر کے اندر چلا گیا دیکھا کہ ایک میلی سی چارپائی پر ڈاکو چپ چاپ پڑا ہے۔ اور اسکی عورت اسکے سرہانے چراغ جلائے بیٹھی ہے۔ اُسے دیکھتے ہی وہ حیران ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کملا پرشاد نے جھٹ پٹ اس کے پاس روپیوں کی تھیلی رکھ کر کہا۔ یہ لو۔ اُس رات کو تم نے میرے لئے جو کچھ کیا تھا۔ اُس کا عوض میں اور کسی طرح نہیں دے سکتا۔

روپیوں کو دیکھتے ہی عورت کے چہرہ پر جو رنج کا سایہ تھا۔ وہ گویا یکایک دور ہو گیا۔ وہ آبدیدہ ہو کر بولی۔ آج تم نے ہم لوگوں کو جان بخشی ہے۔ ہم لوگ بھوک سے مر رہے تھے۔

روپیوں کا نام سُنکر ڈاکو بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کملا پرشاد جانے لگا

ٹوڈاکو نے اُسے اشارہ سے بُلایا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی چارپائی کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔

ڈاکو کا دل شکرگذاری سے بھر آیا۔ وہ ایک تو مرضوں میں مبتلا تھا اور اس پر بھی بھوک کے باعث مر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنے سامنے موت کا سایہ دیکھ رہا تھا۔ اس تنہا جنگل میں اُسے کہیں بھی کوئی اُمید کی علامت نظر نہیں آتی تھی۔ پر یہ کیا تھا ایک دن وہ جس کو جان سے مار ڈالنے کیلئے گیا تھا۔ وہی آج اسے زندگی دینے آیا ہے۔ کملا پرشاد کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیکر وہ رہ گیا اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی بوندیں دکھائی دینے لگیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کملا پرشاد کو چھاتی سے لگاکر اپنا دل ٹھنڈا کرے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ وہ تھک کر چارپائی پر گر پڑا۔

کملا پرشاد چُپ چاپ اسکے دِل کے جوش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دِل بھی پگل رہا تھا۔ وہ اس کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ڈاکو نے دوبارہ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اسکے دِل میں طرح طرح کی باتیں آنے لگیں لیکن بولا نہ گیا۔

وہ سوچنے لگا جن لوگوں کے لئے مَیں نے مصیبت کو مصیبت نہیں سمجھا۔ جن لوگوں کی جان بچانے کیلئے اپنی جان تک دینے میں مَیں نے کبھی دریغ نہیں کیا تھا۔ وہ ہی میرے ساتھی آج میری اِس بیماری میں میرا سارا دھن چھین کر مجھے موت کے گھرے غار میں دھکا دے گئے ہیں اور جس کو میں جان سے مارنے کیلئے تیار رہتا تھا۔ اِسی نے آکر آج

"میری جان بچا لی ہے۔ یہ سوچتے سوچتے اس کا دل ہائے ہائے کرنے لگا۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ ہائے میں بڑا پاپی ہوں اس کے بعد ڈاکو کچھ عرصہ تک چپ چاپ پڑا رہا۔ گویا وہ اندر سے بولنے کے لئے کچھ طاقت جمع کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ پھر کملا پرشاد کے چہرہ کی طرف دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ بولا۔ مجھ جیسا پاپی اس دنیا میں دوسرا نہیں ہے میں تمام مخلوق میں رذیل ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنی داستان کہنی شروع کی۔ کملا پرشاد سننے لگا جسقدر رات گذرنے لگی۔ اسی قدر گھر میں اندھیرا زیادہ ہی زیادہ ہونے لگا۔ باہر کی ہوا درختوں کے ہر ایک پتے سے ٹکرا ٹکرا کر ہائے ہائے کر رہی ہے۔ ڈاکو اپنی داستان رکے ہوئے گلے سے برابر کہہ رہا ہے۔ اور اسے کملا پرشاد بڑے غور سے سن رہا ہے۔

اس کا سینہ چاک چاک ہو رہا تھا جس وقت ڈاکو اپنے چھوٹے بھائی اور ماں کی بات کہتے کہتے رونے لگا۔ اس وقت کملا پرشاد یکدم چونک پڑا۔ اور ڈاکو کی چھاتی سے لپٹ کر روتے روتے چلا اٹھا۔ بھیا۔ بھیا۔ ڈاکو پہلے تو حیران ہو کر کملا پرشاد کے چہرہ کیطرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا لیکن اسی وقت بیقرار ہو کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف پھیلا دیئے۔ اور اسے اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ گھر کے چراغ کی دھیمی روشنی گویا یکایک تیز روشن ہو گی۔

تصویر

سرسوتی کے پانی میں یکایک سیلاب آجانے سے سرسوتی ندی بڑے زور شور سے بہ رہی ہے۔ عیسوی کی چوتھی صدی کا ذکر ہے۔ تب بھی گرمی کے موسم میں سرسوتی سوکھ جاتی تھی لیکن برسات میں وہ اس قدر طغیانی پر ہوتی تھی کہ اچھے اچھے ہوشیار ملاحوں کی بھی اس میں کشتی ڈالنے کی جراٴت نہ ہوتی تھی۔ تھانیسر کے بوڑھے اور بچے سبھی اپنا اپنا کام چھوڑ کر ندی کے کنارے تھیل کود کر رہے ہیں۔ ہمت والے نوجوان تیرنے کے لئے پانی میں اتر رہے ہیں۔ اور بڑے بوڑھے انہیں ڈر دکھا دکھا کر منع کر رہے ہیں۔ بچے کناروں پر پانی اچھال اچھال کر خوش ہو رہے ہیں۔ سرسوتی میں بارہ مہینے پانی نہیں رہتا اس لئے اس میں کہیں کوئی بڑی کشتی نہیں رہتی۔ دو چار چھوٹی

کشتیاں کہیں کہیں کنارے کے درختوں سے بندھی ہوئی نظر آتی ہیں۔

فوراً ایک لڑکی نے ایک ڈونگی پر چڑھ کر اپنی سہیلی سے پکار کر کہا۔ آؤ بہن ایک عمدہ کھیل کھیلیں۔ ڈونگی پانی میں تیر رہی تھی لڑکی اسے اس کی رسی کھینچ کر کنارے کی طرف لے آتی تھی۔ اور پھر دوسری طرف کچھ دُور تک پانی میں لے جاتی تھی۔ یہی اس کے مزے کی کھیل تھی۔ دوسری نے ڈر کر کہا۔ نہیں بہن مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ میں ڈونگی پر نہیں چڑھوں گی۔ یہ سُنکر پہلی لڑکی اپنے کھیل میں مست ہوگئی۔ کچھ دیر بعد دوسری نے کہا چیلا چلو بہت کھیل چکی۔ اب کیا کھیلتی ہی رہو گی۔ لیکن چیلا نے سُنکر کچھ خیال نہ کیا۔ وہ ہنسنے لگی اور مزے کا کھیل کھیلنے لگی۔

قسمت کی بات ہے۔ اچانک رسّی کھل گئی۔ اور ڈونگی ندی کی زور کی دھار میں بہنے لگی۔ جو لڑکی کنارے پر تھی۔ وہ چلّا کر بولی — ارے کوئی بچاؤ۔ چیلا بہی جا رہی ہے۔ چیلا کی عمر چودہ برس سے زیادہ نہیں تھی لیکن وہ چلّائی نہیں۔ ہوشیاری سے ڈونگی کو پکڑ کر بیٹھی رہی چلاہٹ سُنکر بہت سے لوگ دوڑے آئے لیکن کسی نے بھی اسکے بچانے کی جرأت نہ کی۔ البتہ چند سمجھ دار آدمی لڑکی کی بیوقوفی پر نکتہ چینی ضرور کرنے لگے۔ اتنے میں ایک بے جان و بےپہچان کا آدمی کہیں سے دوڑتا ہوا آیا۔ اور ندی میں دھڑام سے کود کر جس طرف ڈونگی جا رہی

تھی۔ اس طرف تیزی سے تیرتا ہوا جانے لگا۔ دیکھتے دیکھتے ڈونگی اور تیرنے والا دونوں تماشائیوں کی نظر سے بہت دور چلے گئے۔

جب کوئی یہ نہ بتلا سکا کہ یہ تیراک کون تھا۔ تب لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ کوئی کہنے لگا ضرور ہی کوئی دیو ہوگا۔ ایسی مصیبتوں کے وقت دیوتا اکثر مدد کے لئے آیا کرتے ہیں کسی نے کہا۔ اجی نہیں۔ اس کلجگ میں دیوتا کہاں سے آئے کوئی سادھو مہاتما ہوگا۔ آجکل ایسے پروپکار کے کام وہی کرتے ہیں اسی سلسلے میں قدیمی حادثوں کی جھوٹی سچی اور بھی بہت سی روایات چل پڑیں۔ آخر میں تماشائیوں نے لڑکوں اور بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ دکھاتے ہوئے اپنے اپنے گھر کا رستہ لیا۔

تھانیسر میں چپلا کے لئے رنج کرنیوالا کوئی نہ تھا۔ اس کے والدین بچپن میں ہی مر گئے تھے۔ ایک بہت دور کا رشتہ دار تھا اس نے رحم کھا کر اپنے گھر میں اسکی پرورش کی تھی۔ چپلا کے پرورش کرنے والے کی بملا نامی ایک لڑکی تھی۔ پرماتما نے اسے خوبصورتی نہیں دی تھی۔ لیکن چپلا خوبصورت تھی۔ اس قصور کے باعث بملا کی والدہ چپلا کو دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اس وجہ سے آج چپلا کے لئے کسی کی بھوک اور نیند میں کچھ فرق نہیں آیا۔

ڈونگی تقریباً ایک کوس تک برابر بہتی چلی گئی۔ اس کے بعد وہ ایک ایسی جگہ میں جہاں کہ ندی کچھ مڑ کر بہتی تھی کنارے کے بالکل پاس

جا پہنچی۔ تیراک پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس نے اسی جگہ ڈونگی کو پکڑ لیا چیلا اب بھی قائم مزاجی سے ڈونگی کو پکڑے ہوئے تھی۔ اس نے اس عرصہ میں کسی طرف بھی نظر نہ ڈالی تھی۔

طاقتور تیراک نے جسوقت ڈونگی کو کنارے کی طرف لے جا کر چیلا سے اترنے کیلئے کہا۔ اُسوقت اِسکے ہاتھ کانپنے لگے۔ اِس سے اترا نہیں گیا۔ یہ دیکھ کر اس نوجوان نے ایک ہاتھ سے تو ڈونگی کی ٹوٹی ہوئی رسّی تھام لی۔ اور دوسرے ہاتھ سے لڑکی کو اُٹھا کر کنارے پر اُتار دیا۔ اس وقت دونوں کے کپڑے تر تھے۔ چیلا چل نہیں سکتی تھی۔ یہ دیکھکر نوجوان اسے پشت پر چڑھا کر قریب کے گاؤں میں لے گیا۔

گاؤں کے لوگوں نے دونوں کو کپڑے اور کھانا دیا۔ اور جگہ دی۔ شام ہونے سے پہلے وہ دونوں آسودہ حالت میں ہو گئے آرام لینے سے ان کی تھکان جاتی رہی۔ نوجوان نے کہا۔ چلو میں تمہیں تمہارے گاؤں میں پہنچا آؤں۔ چیلا رونے لگی اور بولی۔ میں یتیم ہوں میرا کوئی نہیں ہے۔ اگر مجھے وہاں لے جاؤ گے۔ تو جن کے گھر میں میں رہتی ہوں۔ وہ مجھے ماریں گے۔ اور میری بے عزتی کریں گے۔ یہ سُنکر وہ نوجوان شخص کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ آخر وہ لڑکی کو لے کر چل دیا۔ اور ایک میدان طے کر کے رات کو اپنی چھاؤنی میں جا پہنچا۔

نوجوان کو دیکھتے ہی وہاں بیٹھے ہوئے سب لوگ اُٹھ کھڑے

ہوئے۔ اور تعظیم بجا لاکر کہنے لگے۔ کہ آپ کو تلاش کرنے کے لئے جو لوگ تھانیسر بھیجے گئے تھے۔ وہ واپس آ گئے آپ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگا سکے۔ اِس سے ہم لوگ بہت ہی فکر میں ہو رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اور بھی بہت سے سوار آپ کی تلاش میں دوڑائے گئے ہیں۔

نوجوان نے حکم دیا کہ اسی وقت دس خدمتگار لڑکیاں طلب کی جائیں حکم سنتے ہی لوگ دوڑ پڑے۔ ایک پہر رات گزرنے سے پہلے ہی داسیاں مقرر ہو گئیں۔ علیحدہ جگہ مقرر کر دی گئی۔ اور چپلا کی خدمت ایک راجکماری کی مانند ہونے لگی۔

راجکمار چندر گپت کا یہ نیا کام دیکھ کر فوج کے وہ سپاہی جو جوان تھے۔ اشاروں سے ہنسنے لگے۔ اور جو بوڑھے تھے۔ وہ کچھ ناراض سے ہو کر دل ہی دل میں بڑبڑانے لگے۔ یہ اچھی بات نہیں سب کو ہی شبہ ہوا۔ کہ یہ غریب لڑکی راج رانی بن بیٹھے گی لیکن راجکمار کا ایک نوکر غرور سے بولا شریمتی دھرو دیوی کے پاس خبر پہنچتے ہی یہ سارا راج رانی پن نہ معلوم کہاں اُڑ جائے گا۔

راجکمار مہاراج سمدر گپت کے بیٹے چندر گپت ثانی ہیں۔ اور دھرو دیوی ان کی رانی کا نام ہے۔ اِس وقت راجکمار لڑائی کے سفر کے لئے باہر نکلے ہیں۔ اور تھانیسر کے پاس ڈیرا ڈال کر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

مہاراجہ سمدر گپت کے پیارے منتری پریتے ورما کسم پر کے راج محل میں بیٹھے ہوئے کچھ خط پڑھ رہے تھے۔ اسی وقت خود مہاراج نے آکر دریافت کیا۔ راج میں امن تو ہے؟ پریتے ورما اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ مہاراج نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں کے اپنی اپنی جگہ بیٹھ جانے پر وزیر نے کہا۔ مہاراج اس وقت شک یون وغیرہ سب ہی کھشتری سمجھے جانے لگے ہیں۔ اور لوگ انہیں عزّت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ اس کے سوائے آپ لوگوں سے بھی برہمنوں کی نفرت جاتی رہی ہے۔ اب ہمیں فتح شدہ ممالک کی حفاظت کرنے کی طرف ہی زیادہ تر خیال دینے کی ضرورت ہے۔

مہاراج۔ پنجاب اور گجرات وغیرہ ممالک میں جب تک کھشتری راجہ نہیں فتح کئے گئے تھے۔ تب تک میں اپنی سلطنت کو اکھنڈ نہیں سمجھ سکتا تھا۔

پریتے ورما (ہنسکر) جس کام کا بوجھ ولی عہد چندر گپت نے خود اُٹھا لیا ہے۔ اس میں کامیابی ہونی ہی چاہیئے۔

مہاراج۔ جب تمہارا لڑکا وشو ورما اس کا مددگار اور ساتھی ہے۔ تب فتح کی اُمید کرنا درست ہی ہے۔

پریتے ورما۔ مہاراج آپ کی مہربانی کی حد نہیں ہے میرے بڑے لڑکے نر ورما کو مالوہ کا حاکم بنا کر آپ نے میرے خاندان کی عزّت کو اُمید سے بھی زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اگر وشو ورما ولیعہد کا

ساتھی ہوکر رہیگا۔ تو اس میں شبہ نہیں۔ کہ اس سے ان کی بھلائی ہوگی۔ لیکن راج کی بہتری کے لئے میں اس بارے میں ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔

مہاراج بغور سننے لگے۔ اور پریئے ورما کہنے لگے۔ مجھے خبر ملی ہے۔ کہ ہُون نامی جاتی بہت طاقتور ہو رہی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بہت جلد قندھار کی سرحد پر قبضہ کر لے گی۔ یہ کہنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کہ جب تک ہند کی مغربی حد محفوظ نہ ہوگی۔ اُس وقت تک ہند کی بہتری نہیں ہو سکتی تب اس وقت ہُون لوگوں کی حرکات و سکنات کا ملاحظہ کرنے کے لئے کسی لائق شخص کے بھیجنے کی بڑی بھاری ضرورت ہے۔ یہ آپ جانتے ہیں۔ کہ وشو ورمارومک وغیرہ مختلف مغربی زبانوں کو جانتا ہے۔ اس لئے میری سمجھ میں اسے ہی قندھار کی سرحد پر بھیجنا چاہیئے۔ اگرچہ مہاراج اپنے وزیر کی بے غرضی اور خیر خواہی سے بخوبی واقف تھے۔ پھر بھی اس مضمون کو سنکر وہ دنگ ہو گئے اپنی جان سے عزیز لڑکے کو دلیش یا راج کی بھلائی کے لئے خوف کے مقام پر بھیجدینا معمولی بات نہیں ہے۔ مہاراجہ نے کچھ سوچکر کہا۔ اے مدبّر وزیر میں اس بارے میں کچھ سوچ لوں بعد میں جواب دوں گا۔

اسی وقت خبر ملی کہ پنجاب سے ولیعہد کا قاصد آیا ہے۔ قاصد

جو کاغذات لایا تھا۔ انہیں پڑھ کر راجہ اور وزیر کو معلوم ہوا۔ کہ ولیعہد کی فتح کرنیوالی فوج بلا کسی مزاحمت کے مغرب کی طرف جا رہی ہے۔ ان کاغذات کے ساتھ اور بھی دو خط آئے تھے۔ انہیں مہاراج نے حرم سرائے میں بھیجدیا۔ ان میں ایک تو ماتا دت دیوی کے نام کا تھا۔ اور دوسرا دھرو دیوی کے نام کا تھا۔ ولیعہد نے دھرو دیوی کی چٹھی میں یہ بھی لکھا تھا۔ کہ تم شاید سمجھتی ہوگی۔ کہ میں بڑی ہی خوبصورت ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ کہ کھانبسر سے میں جس چودہ سالہ لڑکی کو ندی سے نکال کر لایا ہوں۔ اسے دیکھ کر تمہاری اپنی تعریف ضرور ہی کچھ کم ہو جائے گی۔

کھشتری راجہ رودرسین نے لڑائی کے بغیر ہی صلح کی خواہش ظاہر کی لیکن اس کیلئے ولیعہد کو اپنے والد کی منظوری کی ضرورت ہوئی۔ اور اس لئے جب تک پشپ پور سے کوئی جواب نہیں آیا۔ تب تک انہیں اپنی فوج سمیت بھرو کچھ یا بڑوچ میں چھاؤنی ڈالکر پڑے رہنا پڑا۔ جس وقت ولیعہد نے چپلا کو نکالا تھا۔ اس وقت سے اب تک تین ماہ ہو گئے تھے۔ اس عرصہ کے درمیان ولیعہد کی چپلا کے ساتھ کتنی واقفیت بڑھ گئی تھی اس کا تھوڑا سا حال درج کرنا ضروری ہے۔

چپلا کو مصوری سکھانے کیلئے ایک یونانی مقرر کردی گئی تھی چپلا کو پہلے ہی سے اس بارے میں شوق تھا۔ وہ جو کچھ

دیکھتی تھی۔ اُس کی تصویر بنانیکی کوشش کرتی تھی۔ اس کے سوا اس نے پہلے اس بارے میں تھوڑی بہت تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ اسی لئے ولیعہد نے اس کے لئے مصوّری کی تعلیم کا بندوبست کرنا مناسب سمجھا۔

ایک دن چپلا کوئی تصویر بنا رہی تھی۔ اتنے میں ولی عہد چندر گپت نے جاکر دریافت کیا۔ چپلا آج کیا بنا رہی ہو۔ چپلا نے جلدی سے تصویر کو اپنے آنچل کے نیچے چھپا لیا۔ اور کہا میں آپ کو کبھی نہیں بتلاؤں گی۔ یونی نے ہنسکر کہا۔ آج یہ ایک ناک بنا رہی ہے کہتی ہے۔ کہ پہلے ناک بنانیکی خوب مشق کر لوں گی۔ پھر آپ کی ایک تصویر کھینچونگی۔ چپلا ہنسنے لگی۔ ولی عہد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہمارے ناک نے تمہارا بگاڑا ہے۔ جو تم اس طرح سے اُسے بنا بنا کر مٹاتی ہو۔ چپلا نے اُستانی کا ہاتھ دبا کر کہا لیکن وہ بات مت کہدینا۔ ولیعہد نے پوچھا۔ وہ بات کیا ہے؟ چپلا کے چار دفعہ انکار کرنے پر بھی اُستانی نے کہدیا۔ چپلا کہتی تھی۔ کہ آپ کا ناک اگر بگڑ جائیگا۔ تو دیوی ناراض ہو جائے گی چپلا کو بڑی شرم معلوم ہوئی۔ ولیعہد کے چلے جانے پر اس نے اُستانی سے کہا۔ کوشلیا تم بڑی بُری ہو۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ چپلا اور کوشلیا میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی۔ کہ ولیعہد کے دشو ورما اور نندی بھدر ان دو پردردوں میں

کون اچھا ہے اور کون برا۔ اِسی اثنار میں ولیعہد خیر و عافیت دریافت کرنے کی غرض سے آ پہنچے۔ چپلا پہلے ہی بولی۔ اچھا آپ ہی فرمایئے کیا نندی بھدر اچھا آدمی نہیں ہے؟

ولی عہد۔ اچھا آدمی تو ہے ہی۔ تب ہی تو تمہیں ہر روز پستہ اور بادام دیا کرتا ہے۔

چپلا۔ اگر وہ پستہ بادام نہیں دیتا۔ پھر بھی میں اسے اچھا آدمی سمجھتی۔

کوشلیا۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ یہ تو میں نہیں کہتی لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ ورشو ورما کی مانند اچھا آدمی شاید ہی کوئی ہو۔

چپلا۔ (ولیعہد سے) دیکھیئے۔ چونکہ وشو ورما اِس کی یونانی بھاشا جانتے ہیں۔ اسی لئے یہ طرف داری کر رہی ہے۔

ایک دن کا ذکر سنیئے۔ راجدھانی سے صلح کی خبر آنے سے پہلے مہاراج کا ایک حکم نامہ آیا تھا۔ کہ وشو ورما کو .... قندھار کی طرف جاسوس بن کر جانا ہوگا۔ اس حکم کے سنتے ہی ولیعہد بہت فکرمند ہو رہے تھے۔ ایک دن وہ طرح طرح کے فکر کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں چپلا نے آکر کہا مجھے ایک سونے کا تمغہ چاہیئے۔ سیدھی سادی لڑکی کی درخواست سے خوش ہو کر ولی عہد نے دریافت کیا

کس طرح کا تمغہ۔ چیلا نے تصویر کھینچکر بتلایا۔ اِس طرح کا۔ اچھا تم جاؤ۔ تمغہ جلد تیار ہو جائے گا۔ یہ کہکر ولی عہد پھر متفکر ہو گئے چیلا کو اس بات کی برداشت نہ ہوئی۔ اس نے ناراض ہو کر منہ بنالیا۔ یہ دیکھ کر ولی عہد کو ہنسی آگئی۔ اور انہیں اس کے ساتھ دلچسپ باتیں کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔

مشہور اور عالم بدھ گھوش نے اس وقت تیری پیٹک کی شرح لکھی تھی۔ یا نہیں۔ یہ بات تو تحقیق طور پر نہیں کہی جا سکتی لیکن اس میں شبہ نہیں۔ کہ وہ مشہور اپدیشک کے نام سے نامزد ہو چکے تھے۔ ایک دن بدھ گھوش ولی عہد چندر گپت کو بھگوان بدھ دیو کے مہاتم کا پریمی بنانے کیلئے ان کے ڈیرے میں آ موجود ہوئے ولی عہد ان کے ساتھ تمام دن دھرم کے بارے میں گفتگو کرنے کے بعد شام سے کچھ پہلے چیلا کی خبر لینے گئے۔ لیکن چیلا اس سے پہلے ہی کوشلیا کے ساتھ بدھ گھوش کے درشن کرنے کے لئے چلی گئی تھی۔ چندر گپت نے دیکھا۔ کہ چیلا کا چھوٹا سا کمرہ خالی پڑا ہے اور اس میں اس کی بنائی ہوئی چند تصویریں ادھر اُدھر پڑی ہیں راج کمار کو ان کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ وُہ کمرے کے اندر چلے گئے۔ ایک طرف ایک چوکی پر وہ بنایا ہوا سونے کا تمغہ رکھا تھا۔ تمغہ بالکل نئے ڈھنگ کا تھا۔ اگر کچھ بڑا ہوتا۔ تو اسے اس ذیمارنہ کا لوکٹ (ہولڈلی) کہہ سکتے تھے۔ اس کے اوپر ایک

خوبصورت پرندہ کی تصویر جڑی ہوئی تھی۔ ولی عہد نے غور سے تصویر کو دیکھتے دیکھتے تمغہ کا ڈھکنا کھول ڈالا۔ اور دیکھا کہ اس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی تصویر ہے۔ اسے دیکھتے ہی وہ چونک پڑے اور آہستہ سے اسے بند کر کے اسی جگہ رکھ کر جلدی کمرہ سے باہر ہو گئے۔ کچھ دور جانے پر انھوں نے دیکھا کہ کوشلیا اور چپلا آرہی ہیں ولی عہد نے دریافت کیا۔ تم کہاں گئی تھیں۔ چپلا بولی۔ میں نے سوچا تھا کہ کوئی ایک عجیب طرح کا جانور ہوگا لیکن دیکھا تو دو ہاتھوں اور دو پاؤں کا آدمی نکلا ہم دونوں بدھ گوش کو دیکھ کر آئیں چندر گپت نے ہنس کر کہا۔ چپلا بدھ گوش بڑا بھاری عالم اور مہاتما ہے۔ تب چپلا نے سنجیدہ ہو کر بدھ گوش کو غائبانہ نمسکار کی۔

چندر گپت نے آج دیکھا کہ چپلا کی چنچلتا کے اندر قائم مزاجی اور سنجیدگی بھی ہے۔ انھوں نے لڑکی کی طرف محبت کی نگاہ ڈال کر کہا چپلا تم اور کتنے دن یہاں رہ سکو گی؟ چپلا نے سنجیدگی سے جواب دیا مجھے اب یہ جگہ اچھی نہیں لگتی۔ میں کسم پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اور شاہی دھر دیوی کے دیکھنے کی تو مجھے بہت ہی آرزو ہے۔ ولی عہد بولے۔ تم نے تو انھیں کبھی دیکھا نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے تحقیق کر لیا۔ کہ وہ تم سے محبت کریں گی۔ چپلا نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں ولیعہد کی طرف کر کے کہا۔ تحقیق ہے کہ وہ مجھ سے خوب پیار کریں گی۔ اگرچہ ولیعہد اس بات کو جانتے تھے لیکن لڑکی کا یہ مضبوط عقیدہ دیکھ کر

انہیں بڑی خوشی ہوئی۔

اس خوشی کے درمیان ولیعہد کے دل میں فکر بھی پیدا ہوا۔ صلح کی اجازت آئے یا نہیں۔ اور وشو ورما کو قندھار کی طرف کچھ عرصہ بعد بھیجنے میں کچھ ہرج تو نہیں ہوگا۔ اسی بات کو وہ سوچ رہے تھے۔

وشو ورما نے ولیعہد سے کہا۔ مہاراج کے حکم کو نہ مان کر یہاں بیٹھے رہنا مجھے پسند نہیں۔ جب صلح کی اجازت مل گئی ہے۔ تب آپ صلح قائم کر کے راجدھانی کو چلے جائیے۔ میں صرف ایک نوکر کو ساتھ لیکر خفیہ طور سے قندھار کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔ اگرچہ وشو ورما کی بات کو ٹال دینا ناممکن تھا۔ پھر بھی ولیعہد نے کہا۔ اس بارے میں میں نے ایک دوسری بات کی تجویز کی ہے اس کیلئے کچھ دن اور ٹھیر جانے میں کیا نقصان ہے۔ وشو ورما نے کہا۔ اے ولیعہد مہاراج نے بہت کچھ سوچ بچار کر یہ حکم دیا ہے۔ اس کو بجا نہ لاکر دوسری قسم کی بات کرنے سے بزدلی ظاہر ہوگی۔ اس کے علاوہ جس کام کے لئے یہ حکم ہوا ہے۔ اس کی ضرورت اور عظمت ہمیں خود معلوم ہو رہی ہے اس دن شرمن کمار جاؤ نے جو کچھ کہا تھا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ہی ہونوں کا اقتدار بڑھ رہا ہے۔ اس لئے اس وقت فضول وقت ضائع کرنا راج کے خلاف ایک قسم کا دغا کرنا ہے۔ ولیعہد نے غمگین ہو کر کہا اچھا۔ تمہاری مرضی ان لفظوں کے کہنے سے ولیعہد کو بہت تکلیف محسوس ہوئی۔

وشو ورما ولیعہد سے رخصت ہو کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ اور آسمان میں ستاروں کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا وشو ورما نے ٹالمی کی کتابیں پڑھی تھیں۔ مختلف نچھتروں کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس لئے جب وہ آسمان کی طرف دیکھ کر بیٹھتا تھا۔ تب اس کے اس کام میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وشو ورما نے اس عظیم الشان کو آبدیدہ ہو کر نمسکار کیا جو سارے نچھتروں کا مالک اور تمام انسانوں کی قسمت کا رہنما ہے۔ اگرچہ کوشلیا کے سوائے اور کسی کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔ پھر بھی یہاں صاف صاف کہہ دینے میں کچھ نقصان نہیں ہے۔ کہ وشو ورما کا چپلا کی دلخوش کن عورت سے نہایت ہی محبت ہو گئی تھی۔ فرض سے مجبور ہو کر وہ قندھار جاتا تو ضرور ہے۔ لیکن چپلا کے لئے اس کا دل بیقرار ہوتا ہے۔ یہ سوچکر تو اس کے دل میں بڑی ہی تکلیف ہوتی ہے۔ کہ چپلا میرے حاصل کرنے کے میدان سے بالکل باہر بلکہ بہت دور ہے اس کا حاصل کرنا ایک طرح سے ناممکن ہے۔ اور اگر میں چپلا کا شیدائی بنونگا تو مجھے ولیعہد کی دوستی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ بہت کچھ سوچ بچار کر آخر میں اس نے دل ہی دل میں یہ ارادہ کیا۔ کہ راج کی سیوا کیلئے بھارت ورش کی بہتری کے لئے اور قرض کی ادائیگی کے لئے میں اپنے دل کی تکلیف کو دل میں ہی چھپا کر رکھوں گا۔

ولی عہد جس وقت راجدھانی میں پہنچے۔ اس وقت جنوبی سرحد سے خبر آئی۔ کہ مالوہ کی سرحد پر چیر راجہ کے برخلاف بلوہ کھڑا ہو گیا ہے۔ اس بلوہ کے کرنے والے نبنوری اور نایا وسے لوگ ہیں۔ تواریخ میں اس بغاوت کا وقت ۳۸۹ء ہے۔

ولی عہد بہت عرصہ کے سفر سے واپس آئے تھے۔ اس لئے اب کی دفعہ مہاراج سمدرگپت نے خود ہی جنوب کی طرف چڑھائی کی اس بغاوت کی خبر پاکر مہاراج نے یہ بھی ارادہ کیا۔ کہ چیر راج کو فتح کر کے سنگلدیپ تک لڑائی کے لئے آگے قدم بڑھا جائے۔ اور اس لئے بہت بڑی فوج ہمراہ لے کر انہوں نے راجدھانی سے کوچ کیا۔

اس لڑائی کے سفر میں مہاراج کو دو سال لگ گئے۔ اس اثناء میں راج کا سارا کاروبار ولی عہد چندرگپت ہی کے سپرد تھا ولیعہد کو یقین تھا۔ کہ جہاں پر بہ ورما جیسا وزیر ہے۔ وہاں حکومت کرنا بہت ہی آسان کام ہے۔ جس وقت وشو ورما ہُونوں کی چال ڈھال کا اچھی طرح سے معاینہ کر کے راجدھانی کو واپس آیا۔ اس وقت مہاراج سنگلدیپ کو فتح کر کے واپس آئے تھے لیکن اس لڑائی کے سفر میں ان کی صحت میں فرق آ گیا تھا۔ اس باعث سے راج کا تمام کاروبار اب پھر ولی عہد ہی کرتے تھے۔

سنگلدیپ کی فتح کے تقریباً تین سال بعد مالوہ کا حاکم نروزما

مر گیا۔ پر یئے ور ما کا ایک تو بڑھاپا تھا۔ اور اس پر یہ بیٹے کا سخت رنج۔ اب وہ کبھی کسی ضروری کام کے لئے ہی دربار میں آتے ہیں۔ ورنہ اپنے گھر میں ہی رہا کرتے ہیں۔ مالوہ کا حاکم کون بنایا جاوے۔ اس بارے میں ولبعھ چندر گپت نے جو تجویز پیش کی۔ اس کو مہاراج سمدر گپت نے بڑی خوشی سے منظور کیا اس تجویز کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

دوپہر کو بھوجن کرنے کے بعد پر یئے ور ما ایک کمرہ میں سو رہے ہیں۔ اور ایک چھوٹا سا بچہ ان کی نیند میں خلل ڈال کر ان کو خوش کر رہا ہے۔ بچہ بوڑھے وزیر کا پوتا ہے۔ یہ تین سال کا بالک بوڑھے کی چھاتی کے سفید بالوں کی ایک۔ پانچ تین کہکر گنتی کرتا ہے۔ منہ میں انگلی ڈال کر دیکھتا ہے کہ بابا کے دانت کیوں نہیں ہیں اور گھنگرو پہنے ہوئے چھوٹے چھوٹے پاؤں کی دھول سے ان کے سارے بدن کو میلا کرتا ہے۔ وہ بچے کے چھونے سے خوشی سے متاثر ہو کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اور جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھتے ہیں۔ بالک بابا۔ بابا بولتا ہے۔ اور وہ کچھ وقت کے لئے بڑھاپے کو بھول کر جوانی اور بچپن کے گزرے ہوئے زمانے کا آرام یاد کرنے لگتے ہیں۔ انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں دوبارہ جنم لیکر بالک ہوا ہوں۔ اور بالکوں کے ساتھ کھیل رہا ہوں۔ دن میں گہری نیند لینے کے بعد جس طرح دن ڈھلے صبح کے وقت

کا جھوٹا خیال ہوتا ہے۔ بوڑھے کو پھر ویسا ہی خیال آ رہا ہے۔
بوڑھا وزیر جس وقت دوبارہ جنم لیکر خواب دیکھ رہے تھا اسی وقت بچہ کی والدہ نے دیکھا۔ کہ بچہ بڑا دنگہ کر رہا ہے۔ وہ اسے اُٹھا کر لے جانے کے لئے آئی۔ لیکن وہ اس کے پاس گیا ہی نہیں۔ بہت کچھ سمجھایا بجھایا۔ لیکن اس نے ایک بھی نہ سنی بچہ کی ماں شاید یہ نہیں جانتی تھی۔ کہ اس دنیا میں بوڑھے بابا جیسی میٹھی شے اور دوسری نہیں ہے۔ تھوڑی دیر ٹھیر کر وہ عورت بالک کو زبردستی کھینچکر گود میں لینے کے لئے چلی۔ اب کی دفعہ بالک نے ایک جھٹکے سے اس کے گلے کا ہار توڑ ڈالا۔ فتح مند بالک نے ہار چھوڑ کر جس وقت اپنی ماں کے بال پکڑے۔ اس وقت بوڑھے وزیر خواب سے جاگ اُٹھے۔ وہ بولے دھنے دو بہو زبردستی کیوں کرتی ہو مجھے یہ کچھ تنگ تھوڑا ہی کرتا ہے۔
بوڑھے کے منہ کی بات منہ میں ہی رہی۔ کہ اتنے میں ولیعہد چندر گپت آ پہنچے۔ بوڑھے وزیر تعظیم بجا لاکر بیٹھ گئے۔ اور وہ عورت کسی طرح سے اپنے بال چھڑا کر اندر گھر میں چلی گئی ولیعہد نے ہنس کر کہا۔ پیلا تمہارا بچہ تو بڑا شیطان ہے۔ اچھا آؤ۔ بندھو میری گودی میں آ جاؤ۔ ولیعہد نے بچہ کا نام بندھو رکھا تھا۔ بعد میں بڑا ہونے پر بھی وہ بندھو ورما کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ بات تواریخ دانوں سے پوشیدہ نہیں ہے بندھو کو والدہ کے

ٹوٹے ہوئے ہار میں سے ایک تمغہ مل گیا تھا۔ اس وقت وہ اسی کو دل سے دیکھ رہا تھا۔ اتفاق سے تمغہ کا پلہ کھل گیا۔ اور اس میں سے ایک کاغذ باہر نکل پڑا۔ ولی عہد نے اسے جھٹ پٹ اٹھا لیا۔ یہ بات ولیعہد بہت عرصہ سے جانتے تھے۔ کہ چپلا نے وشو ورما کی چھوٹی سی تصویر کھینچ کر تمغہ میں رکھ چھوڑی ہے۔ ولیعہد نے ہنستے ہنستے اس تصویر کو تمغہ میں رکھ کر اور اسے بند کر کے بچّہ کو گود میں اٹھا لیا۔ چپلا شرم کے باعث زمین میں گڑ گئی وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ کہ ولیعہد میرے تمغہ کی ساری بات جانتے ہیں۔

چپلا نے باہر آ کر بچّہ کو گود میں اٹھا لیا۔ اور پربھاکر ورما نے ولیعہد سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ اسی وقت ولیعہد نے یہ خبر سنائی کہ وشو ورما مالوہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ چپلا بولی نہیں بابا اس عمر میں اتنی دور کیسے جاویں گے۔ ولیعہد نے ہنسکر کہا۔ اس کے انتظام کا بوجھ میرے ذمہ رہا۔ میں سب ٹھیک ٹھاک کر دونگا چپلا نے دوبارہ کہا اچھا تو یہ منظور کیجئے۔ کہ آپ بیچ بیچ میں دیوی کو لے کر مالوہ آیا کریں گے۔ ولیعہد نے اس کو بھی منظور کر لیا۔

چوری

جب شام قریب آئی۔ تو طوفان بھی پورے زوروں پر ہو گیا زور کی بارش ہو رہی تھی۔ اور بجلی ایسے غیظ و غضب سے کڑک رہی تھی خیال ہوتا تھا۔ کہ آسمان پر اسروں اور دیوتاؤں کے مابین جنگ ہو رہی ہے۔ سیاہ بادل قیامت کے جھنڈوں کی طرح اِدھر اُدھر منڈلا رہے تھے۔ گنگا کی لہریں تھپیڑیں مار رہی تھیں۔ دریا کے کنارے باغوں میں جو درخت اُگے ہوئے تھے۔ وہ بھی ہوا کے زور سے مست ہو کر جھوم رہے تھے۔
ایک خاوند اور بیوی اپنے امیرانہ مکان کے ایک بند کمرے میں جو بمقام چندر نگر دریا کے کنارے واقع ہے۔ بیٹھے تھے گھر واپس جانے کے بارے میں سنجیدہ بحث ہو رہی تھی۔ گھر پر بیوی سخت بیمار ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کا خاوند جس کا نام شارت تھا۔ تبدیلی آب و ہوا کے لئے اسے دریا کے کنارے لے آیا تھا۔ بیوی مسماۃ کیرن کو تبدیلی آب و ہوا سے شفا ہو گئی تھی۔ مگر دریا کے کنارے اس خوبصورت مکان میں کیرن کے لئے

نہ کوئی سوسائٹی تھی۔ اور نہ کوئی تفریح طبع کا سامان تھا۔ تمام دن سوائے کھانا یا دوا کھانے کے کوئی کام نہ تھا۔ اور اس سے وہ متنفر یا متفکر ہو گئی تھی۔ کیرن کی بڑی خواہش تھی۔ کہ گھر واپس جاکر اپنے پڑوسیوں کی دل کش صحبت میں وقت گزار کر محفوظ ہو۔ مگر اس کے خاوند کی یہ رائے تھی۔ کہ جب تک اس کی صحت و طاقت مکمل طور پر بحال نہیں ہو لیتی تب تک کچھ مدت اور ٹھیرے۔

ان دونوں میں اس طرح کی گفتگو ہو رہی تھی۔

• اور کچھ دن یہاں رہنے میں تمہیں بالکل آرام ہو جائے گا۔"

• مجھے بالکل آرام ہے۔ اب میں جانا ہی چاہتی ہوں۔"

جن لوگوں کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ یہ بات چیت جو یہاں اتنی مختصر لکھی گئی ہے۔ وہ اتنی مختصر نہ تھی۔ مضمون کچھ ایسا نہ تھا۔ جسے اتنا طول دیا جاتا۔ مگر پھر بھی بات کچھ سمجھ لی گئی۔

آخر میں جب کیرن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تب شارت نے کہا۔

• مجھے تو واپس چلے جانے میں کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ڈاکٹر کہتے ہیں۔ کہ ابھی چند دن رہنا لازمی ہے"۔

• ڈاکٹر تو اپنی فیس کے لئے ایسا کہتے ہی رہیں گے"۔

یہ بات نہیں در اصل ان دنوں دیہات میں بہت سی بیماریاں پھیل جاتی ہیں۔ اس لئے اس نے رائے دی ہے۔ کہ ابھی دو ماہ یہاں

رہو۔"

"شاید آج کل شہر میں کوئی بیماری نہیں"۔

اس جگہ ماضی کا کچھ حال لکھ دینا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیرن کو اس کے گھر کے تمام افراد گاؤں کی عورتیں یہاں تک کہ ساس بھی بہت اچھا سمجھتی تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب کیرن بیمار ہوئی تو اسے بہت فکر دامن گیر ہوئی۔ ڈاکٹر نے ہوا تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ شارت اسی وقت تیار ہو گئے۔ ساس نے کوئی روک ٹوک نہ کی بلکہ ضرورت کے لئے خود ساتھ تیار ہو گئی۔

شارت بیوی کو ساتھ لئے ہوئے شہر میں آرہے اور اب دریا باغیچہ والے ایک مکان میں رہنے لگے۔ ڈاکٹر کی دوائی سے اب بہت آرام ہے۔ صرف کمزوری باقی رہ گئی ہے۔

کیرن جب تک اپنے خاوند کو جواب دیتی رہی تب تک برابر بحث ہوتی رہی۔ آخر جب کیرن نے بالکل خاموش رہ کر خاوند کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت شارت کو ہار ماننی پڑی۔

اسی وقت ایک نوکر پیغام لایا۔ جس سے شارت کو معلوم ہوا کہ دریا میں طوفان کے باعث ایک کشتی اُلٹ گئی ہے۔ ایک نوجوان برہمن لڑکا جو اس کشتی میں سوار تھا۔ وہ تیر کر کامیابی سے اس کے باغ کے زینے پر کنارے آ لگا ہے۔

لڑکے کے آنے سے اُسے خوشی ہوئی۔ اور اس کے ساتھ مشفقانہ

سلوک کیا۔ اس لڑکے کے بال لمبے لمبے اور گھنگھریالے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت تھیں۔ مگر اس کے چہرے پر داڑھی کی کوئی علامت نہ تھی کیرن نے اُسے دودھ پلایا۔ اور سب حال پوچھا۔

"تمہارا کیا نام ہے۔ دریا کے راستے کہاں جا رہے تھے۔ کیا کام کرتے ہو" وغیرہ وغیرہ کئی سوال دریافت کئے۔ لڑکے نے کہا۔

"کہ میرا نام نیل کنٹھ ہے۔ میں ایک ناٹک کمپنی میں ملازم ہوں۔ جب ہم دریا عبور کر رہے تھے۔ تو ہمیں طوفان نے آگھیرا۔ اور میں بعد مشکل تیر کر بچا۔ میرے ساتھیوں کا خدا جانے کیا حال ہے"۔

اس لڑکے کو اپنے ہاں رکھنے میں سب خوش تھے۔ کیرن کی اس کے ساتھ اس لئے ہمدردی تھی۔ کہ وہ مشکل سے بچا تھا شارت اس کا آنا اس لئے مبارک سمجھتا تھا۔ کہ اس کی دل بہلانے والی صحبت اس کی بیوی کو کچھ عرصہ اور یہاں رہنے کی ترغیب دے گی۔ شارت کی ماں اس سے اس لئے خوش تھی۔ کہ اس برہمن کے لڑکے پر مہربانی کر سکے۔ نیل کنٹھ بھی خوش تھا۔ کہ ایک تو مرنے سے بچا۔ دوسرے اپنے پرانے مالک سے نجات ملی۔ اور ایک امیر کے گھر رہنے کو جگہ مل گئی۔

مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد شارت اور اس کی والدہ کی رائے بدل گئی۔ اور وہ چاہنے لگے۔ کہ کسی طرح نیل کنٹھ چلا جاوے وجہ یہ تھی۔ چونکہ اس گھر میں اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے اس کی

عادات بہت بگڑ گئیں۔ چپکے چپکے وہ شارت کا حقہ پینے لگا۔ کبھی اس کا ریشمی چھاتہ لے کر۔ جب مینہ برس رہا ہوتا۔ تو گاؤں کی سیر کرنے کے لئے چلا جاتا۔ اور ہر ایک سے جسے وہ ملتا۔ دوستی گانٹھتا پھرتا۔ علاوہ ازیں ایک کتا اس نے کہیں سے لے لیا تھا۔ جسے وہ بہت پیار کیا کرتا تھا۔ یہ کیچڑ میں لتھڑے ہوئے پنجوں سمیت اندر آ کر شارت کے بستر پر بیٹھ جاتا۔ یہاں تک ہی نہیں۔ نیل کنٹھ نے لڑکوں کا ایک گروہ جمع کر لیا جس میں ہر ایک قسم اور قدوقامت کے لڑکے شامل تھے۔ اس گروہ کی کارگذاری کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس سال وہاں ایک بھی آم پکنے نہ پایا۔

الغرض نیل کنٹھ جو چاہتا تھا۔ وہ کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے بگاڑنے میں کیرن کا بھی ہاتھ تھا۔ شارت اکثر بیوی کو ایسا کرنے سے باز رہنے کو کہتا۔ مگر وہ کچھ پروا نہ کرتی۔ بلکہ نئے نئے کپڑے پہنا کر اس نے نیل کنٹھ کو بہت شوقین بنا دیا تھا۔ اور چونکہ کیرن کو اس سے رغبت تھی۔ اس لئے وہ اکثر اُسے اپنے کمرے میں بلا لیتی رہتی تھی۔ نہانے اور دوپہر کا کھانا کھا چکنے کے بعد جب وہ پاندان لے کر پلنگ پر بیٹھتی تو کنیز اس کے بالوں میں کنگھی کرتی۔ اور نیل کنٹھ سامنے کھڑا ہو کر خوب طمطراق سے گیت گا کر سناتا۔ شارت کو یہ پسند نہ تھا۔ وہ اکثر نیل کنٹھ کی گوشمالی کیا کرتا تھا۔ مگر نیل کنٹھ کو اس مارپیٹ کی چنداں پروا نہ تھی۔ اس لئے کہ یہ اس سزا کے مقابلے میں جو اس کی سابقہ زندگی میں اس کے تجربے میں آتی تھی۔ بڑی ہلکی تھی۔ پس وہاں اس نے خوب جسمانی نشوونما پائی۔

نیل کنٹھ کی آمد کے تھوڑے عرصہ بعد شارت کا چھوٹا بھائی سائنس اپنی کالج سے تعطیلات گزارنے کے لئے ان کے پاس آیا۔ کیرن اس کی صحبت سے بیحد خوش تھی۔ اس لئے کہ وہ بڑا زندہ دل اور اس کا ہم عمر تھا۔ وہ اپنا وقت خوشی سے کھیلنے جھگڑنے۔ صلح صفائی کرانے کرنے ہنسنے اور رونے میں گزارتے تھے۔ وہ مذاق بھی کیا کرتے اور طرح طرح کے انوکھے طریقہ سے ایک دوسرے پر تمسخر اڑاتے تھے۔ ان ایام میں نیل کنٹھ ایسا تلخ ہو گیا۔ کہ اس نے اپنے جان نثار ہمجولی لڑکوں اور پالے ہوئے کتوں کو مار مار کر بھگا دیا۔ اس کا رویہ اس لئے بدل گیا تھا۔ کہ کیرن اس کی طرف رُخ نہیں کرتی تھی۔ اور اس کا اعتقاد ہو گیا۔ کہ سائنس نے کسی مکروفریب سے اس کے خلاف کیرن کے کان بھر دیئے ہیں۔ اور اس کو سرد مہر بنا دیا ہے پس وہ سائنس کا دشمن ہو گیا۔ لیکن اس میں جرات نہ تھی۔ کہ اپنے عناد کا علانیہ اظہار کرے۔ پھر بھی وہ اس سے اپنا بدلہ لینے کے لئے سینکڑوں تدابیر نکالتا تھا۔ سائنس کو دق کرنے کے لئے اس نے بہت سی شرارتیں کیں آخرکار جب کنبے کے ممبران کا واپس جانے کا وقت آیا۔ تو کیرن نے نیل کنٹھ کو ساتھ لے جانے کی تجویز کی۔ مگر اس کی تجویز کی سخت مخالفت ہوئی۔ اور اس نے نیل کنٹھ کو اپنے گھر لوٹ جانے کی صلاح دی۔ وہ زار زار رویا۔ سائنس نے اس کے برخلاف ایسی آواز اُٹھائی۔ کہ نیل کنٹھ جلد ان سے رخصت ہوا۔ وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا تھا۔ اور بے سود سوچتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سائنس کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ مگر اس کا حاسد دل اپنا ہی خون

پیٹتا رہا۔

ساٹس ایک بڑی خوبصورت دوات کلکتہ سے لایا تھا۔ اتفاقاً یہ دوات ان کی روانگی سے ایک دن پہلے گم ہوگئی۔ ساٹس غصے سے بھر گیا اس کو شک تھا۔ کہ یہ نیل کنٹھ نے چرائی ہے۔ اس نے نیل کنٹھ کو اپنی بھاوجہ کے سامنے بلوایا۔ اور اس سے کہا۔

"چرائی ہوئی شے واپس کردو؟"

نیل کنٹھ کی آنکھیں غصے کی تیزی سے سُرخ ہوگئیں۔ پھر کیرن اس کو ایک طرف لے گئی۔ اور اس سے پُوچھا۔

"کیا دوات تم نے چرائی ہے۔ اور اس سے کہا کہ اگر یہ چیز چپکے سے دے دوگے تو میں راز افسانہ ہونے دوں گی۔"

نیل کنٹھ کچھ نہ بولا اور صرف زار زار رو دیا۔ کیرن کا جو نیل کنٹھ پر چوری کا شبہ تھا۔ وہ جاتا رہا۔ مگر شارت اور ساٹس کے دل نے یہ الزام بعینہٖ قائم رکھا۔ دونوں بھائیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"نیل کنٹھ کے سوا دوسرے کا یہ کام نہیں۔"

"کبھی نہیں" کیرن نے اپنے الفاظ میں خاص جوش پیدا کرتے ہوتے جواب دیا۔

شارت نے نیل کنٹھ کو بلایا۔ اور کچھ سوالات کرنے چاہے مگر کیرن نے راستہ میں ہی روک کر کہا۔

"نہیں چوری کے متعلق تم اسے کچھ نہیں پوچھ سکتے۔"

"اس کا کمرہ اور بکس کھول کر دیکھنا چاہئے۔"

"اگر ایسا کرو گے تو میں تمام عمر تم سے بات نہ کروں گی۔ بے گناہ پر اس قسم کا شک کرنا اچھا نہیں۔"

یہ کہتے کہتے کیرن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کے بعد کسی نے نیل کنٹھ کو کچھ نہیں کہا۔

کیرن ان کی بات کا اعتبار کرنے سے ایسی مستقبل طور پر منکر رہی کہ نہ تو اس نے لڑکے کی یکطرفہ شہادت گزرنے دی۔ اور نہ اس کے کمرہ اور صندوق کی تلاشی ہونے دی۔ اس بے خانماں لڑکے کی سخت ہتک پر کیرن کو بڑا ترس آیا۔ اس کا ارادہ تھا۔ کہ دو نئے کپڑوں کے سوٹ اور ایک جوڑا جوتا اور ایک قطعہ نوٹ بطور حسنی تحائف خبر کئے بغیر نیل کنٹھ کے صندوق میں آج وقت شام رکھ دے۔ چونکہ یہ کام صندوق کی ان اشیاء کے جن سے وہ پُر تھا۔ نکالے بغیر وہ نہیں کر سکتی تھی۔ ساتھ ہی اسے وہ اشیاء مع عطیوں کے مناسب طور سے دوبارہ بکس کے اندر بند کرنی بھی ضروری تھیں۔ پس جب وہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنا رہی تھی۔ اتفاقیہ گم ہوئی دوات اس کے ہاتھ لگی۔ وہ حیران و ششدر رہ گئی۔ لیکن اس نے جلدی ہی دوات اور دیگر اشیاء دوبارہ رکھ دیں اور سب سے اوپر تحفے رکھے اور انہیں منتقل کر دیا۔ اس اثنا میں نیل کنٹھ چپکے سے کمرے کے اندر پیچھے سے دبے پاؤں آ گیا تھا۔ اس نے بغیر خبر کئے کیرن کی کارروائی کو دیکھ لیا تھا۔ اگلے روز نیل کنٹھ ایسا فرار ہوا۔ کہ کوئی اس کو

نہ پا سکا۔ تیسرے دن پولیس نے بھی کہہ دیا۔ کہ اس کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اب شارت کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کا بکس کھول کر دیکھنا چاہئے

"یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا" کہہ کر کیرن بکس اپنے کمرے میں اُٹھا کر لے آئی۔ اور شب کی سیاہی میں اس دوات کو دریا کے گہرے پانی میں پھینک دیا۔

کیرن نے اس کی چوری معلوم نہ ہونے دی۔ پھر سارا خاندان رخصت ہو گیا۔ ایک ہی دن میں باغ اجڑ گیا۔ صرف نیل کنٹھ کا کتا دریا کے کنارے بھونکتا پھرتا رہا۔ اس کی آہ وزاری سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔